تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر ؕ آل عمران

ماهنامه

الاصلاح

دوره

احسان ھش ۱۳۶۱

جون سنہ ۱۹۸۲ء

ایڈیٹر:- مسکف غلاباری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

شعبان ۱۴۰۲ھ ہجری

احسان ۱۳۶۱ہش

جون ۱۹۸۲ء

ایڈیٹر

غلام باری سیف

مدیران اعزازی

ملک صلاح الدین صاحب بھارت ۔ مبارک احمد صاحب ساقی لنڈن

کمال یوسف صاحب سکنڈے نیویا

شرح چندہ ماہنامہ "انصار اللہ"

پاکستان ———— پندرہ روپے سالانہ ۱۵/-

امریکہ ۔ کینیڈا، جزائر فجی { بذریعہ ہوائی ڈاک ——— ایک سو پچاس ۱۵۰/- ، ، / ، بحری ڈاک ——— اسی ۸۰/- ، ، }

دیگر ممالک { بذریعہ ہوائی ڈاک ——— ایک سو ۱۰۰/- ، ، / ، بحری ڈاک ——— ساٹھ ۶۰/- ، ، }

فہرست مضامین

پبلشر: چوہدری محمد ابراہیم

پرنٹر: سید عبد الحئی

مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ

مقام اشاعت: دفتر ماہنامہ انصار اللہ دار الصدر جنوبی ربوہ

کتابت: محمد رفیق احمد ربوہ

قیمت فی پرچہ ۔ ڈیڑھ روپیہ ۱/۵۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جلد ۲۳ | ماہنامہ "انصاراللہ" ربوہ | شمارہ ۶

احسان ۱۳۶۱ہش

لیا ظُلم کا عفو سے انتقام

جریدہ "منارالاسلام" ہر ماہ کے شروع میں "الامارت العربیۃ المتحدہ" سے شائع ہوتا ہے۔ اس کے شمارہ نومبر ۱۹۸۱ء بمطابق محرم میں ایک مضمون ڈاکٹر عبدالرحمٰن علی الجمحی کا شائع ہوا ہے۔ جس میں مصنّف نے سپین کے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ مضمون نگار لکھتے ہیں کہ "یرینیا" کے شہر میں ایک گرجے میں ایک اجتماعی قبر دریافت ہوئی جس سے تین سو لاشیں نکلیں۔ مضمون نگار نے قبر سے دریافت ہونے والی لاشوں کے فوٹو بھی دیئے ہیں۔ لاشوں میں سے بعض کے سر کٹے ہوئے تھے۔ بعض لاشیں مقطوع الاعضاء تھیں۔ بعض عورتوں کی چھاتیاں کٹی ہوئی تھیں۔ اور بعض لاشیں مسخ شدہ تھیں۔ یہ قبر ایک حادثہ کے نتیجہ میں ظاہر ہوگئی کہ ایک ٹرک گرجے کی ایک دیوار سے ٹکرایا، دیوار گری اور اس کے نیچے سے یہ قبر دریافت ہوئی۔

مضمون نگار نے اپنے مضمون میں سقوط غرناطہ کے بعد جو ۸۹۶ھ ہجری میں ہوا۔ سپین میں مسلمانوں کے زوال کے حالات قلم بند کئے ہیں۔ جب ابوعبداللہ نے غرناطہ کا آخری قلعہ فرڈیننڈ کے سپرد کیا۔ اس کے بعد مسجدیں مسمار کی گئیں۔ کُتب خانے تباہ کردیئے گئے۔ ہر وہ شخص جس کا کوئی تعلق مسلمانوں سے ثابت ہوا تہ تیغ کردیا گیا۔

اس کے بعد مصنف لکھتا ہے۔ اَب جن لوگوں نے اسلام کو قبول کیا ہے ان کی تعداد ایک ہاتھ کی انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ اَب ان کا ارادہ ہے کہ غرناطہ میں مسجد تعمیر کی جائے۔

اُندلس کی تاریخ پڑھ کر کس کا دل نہیں روتا۔ اس سرزمین میں ایک وقت نخل اسلام پروان چڑھا۔ غرناطہ کی دانش گاہوں نے کتنے اہل علم پیدا کئے جن کا نام علمی دُنیا سے کبھی مٹایا نہ جاسکے گا۔ مسلم کا فن تعمیر، ان کی باغبانی، ان کی وسیع وعریض مساجد، الحمراء کے محلات، ان کا نظام آب پاشی آج بھی اُن کی عظمت پر گواہ ہے۔ سات سو سال کا طویل عرصہ بھی ان کے نقوش نہ مٹا سکا۔

اُندلس میں اسلام کے زوال پر شعراء نے مرثیے لکھے۔ مورخین اسلام کے عروج و زوال کی تاریخ لکھ کر دلوں میں دبی چنگاری کو ہوا دیتے رہے۔

لیکن اِس دکھ کا مداوا کس طرح ہوتا۔ آنکھیں صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی کو تلاش کرتی رہیں۔ کبھی دل کسی محمود غزنوی کو آواز دیتا۔ لیکن اسلام ظلم و تعدی، وحشت و بربریت کا بدلہ ظلم و تعدی اور وحشت سے لینے کی تعلیم تو نہیں دیتا۔ سفاکی کا بدلہ خون بہانا تو مزید خونریزی کو دعوت دیتا ہے۔ آج ضرورت تھی کہ نفرت کے جواب میں یہ نعرہ بلند کیا جاتا LOVE FOR ALL HATRED FOR NONE (محبت سب کے لئے نفرت کسی سے نہیں)۔ آج اُن کی سفاکیوں کے بدلہ میں اسلام کی امن و صُلح کی تعلیم کو دہرایا جاتا۔ آج دلوں سے نفرت کے بیج چُن کر اُن کے دلوں میں اسلام کی محبت کی تعلیم کے بیج بونے کی ضرورت ہے۔ آج ظلم کا انتقام عفو سے لینے کی ضرورت ہے۔ آج تلوار کی کاٹ کے بدلے قرآن کے عصا کی ضرورت ہے۔ آج حسد کو دلوں سے نکالنے کی ضرورت ہے۔ آج بدخواہی کے بدلہ خیرخواہی کی ضرورت ہے۔ ہاتھوں سے زہر کے پیالے لے کر ان میں اسلام کے آبِ حیات کے ساغر تھمانے کی ضرورت ہے۔ اسلامی کُتب خانے جلانے والوں کو ان کتب کے مضامین سے آگاہ کرنے کی ضرورت ہے۔ یہی طریق ہے جس سے اُس درد کا مداوا ہوسکتا ہے۔ یہی مرہم ہے جس سے زخم مندمل ہوسکتے ہیں۔

مبارک ہے وہ موعود جس نے یہ سبق دیا۔ خوش نصیب ہے وہ جرنیل جس نے پھر ہاتھوں میں یہ مؤثر ہتھیار دیا۔ اور آج ہم اپنی آنکھوں سے اس کے نتائج دیکھ رہے ہیں۔ آج نفرت کی فضا سمٹ رہی ہے۔ آج پھر قرطبہ کی وادیوں سے وہ اذان گونجی۔ آج پیدرو آباد کی سرزمین پر پھر مینار بلند ہوئے۔ آج پھر اُندلس کی سرزمین میں سر خدائے واحد کے حضور سجدہ ریز ہوئے۔ اور آج پھر اہلِ اُندلس کے کانوں نے کسی تجلّی بلال سے اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ کی صدا سُنی۔ یہی صحیح طریق ہے ان ظلموں کے انتقام کا جو سرزمین اُندلس میں مسلمانوں پر توڑے گئے۔ کہ ہم اُن کے سینوں کو اسلامی تعلیم کے نُور سے منوّر کریں۔ ہم دل و دماغ سے نفرت کے جذبات نکال کر ان میں خدا اور اس کے رسول محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلّم کی محبّت داخل کریں۔

زندہ باد اے قائدِ جماعت! آپ نے حضرت مصلح موعود کی خواب کی تعبیر کو عملی شکل دی۔ مبارک باد طارق! سرزمین اُندلس میں پھر اسلام کا پھریرا لہرایا۔

قدرتِ ثانیہ کے تیسرے مظہر! ہر کام پر خدا کی نصرت آپ کے ہمرکاب رہے کہ آپ نے پھر اہلِ اُندلس کو اذان کی میٹھی لے سنائی۔ خدا کرے اَب یہ آواز بلند سے بلند تر ہوتی چلی جائے۔ وَما ذٰلِكَ علی اللّٰہ بعزیز

سُوئے وطن

اٹھارہ مئی کو دس بجے صبح تحریک جدید کے گیسٹ ہاؤس میں جامعہ احمدیّہ کے فارغ التحصیل غانین طالب علم احمد سعید جبرائیل

کی الوداعی تقریب منعقد ہوئی۔ مرکز میں تعلیم و تربیت کے بعد یہ ابراہیمی طیر اَب وطن لوٹ رہا ہے۔

احمد سعید جبرائیل نے جامعہ کے فرسٹ ڈویژن میں شاہد کی ڈگری حاصل کی۔ اور پنجاب یونیورسٹی سے سیکنڈ ڈویژن میں مولوی فاضل کیا۔ یہ سعید نوجوان پہلی بار ۱۹۷۰ء میں ربوہ آئے۔ جامعہ احمدیہ سے قرآن حفظ کر کے وطن واپس گئے۔ پھر ۱۹۷۴ء میں ربوہ آئے اور سات سال جامعہ میں تعلیم حاصل کی جامعہ کی تعلیم کے زمانہ میں آپ ایک مثالی طالب علم رہے۔ چنانچہ ۱۹۷۸ء میں آپ کو جامعہ کا "الطالب الامثل" انعام ملا۔ آپ انگریزی کے بہترین مقرر ہیں۔ کئی سال تک جامعہ کے سالانہ تقریری مقابلہ میں انگریزی زبان میں اوّل انعام حاصل کیا۔ آپ فضل عمر ہوسٹل جامعہ احمدیہ کے چیف پریفیکٹ بھی رہے۔ مقامی مجلس خدام الاحمدیہ میں ناظم صحت جسمانی کے عہدہ پر بھی رہے۔ آپ فٹ بال کے بھی اچھے کھلاڑی ہیں۔ جامعہ احمدیہ کی فارن سٹوڈنٹ یونین کے تین سال تک صدر رہے۔ پاکستان میں تعلیم پانے والے افریقن طلباء کی یونین کے ۱۹۷۵ء اور ۱۹۷۶ء میں کلچرل سیکرٹری بھی رہے۔

قائم مقام وکیل اعلیٰ محترم مولانا نذیر احمد صاحب مبشر کی زیرِ صدارت یہ تقریب منعقد ہوئی۔ چائے کے بعد مکرم مسعود احمد صاحب نائب وکیل التبشیر نے بتلایا کہ آج کی تقریب عزیز احمد سعید جبرائیل کو دعاؤں سے الوداع کرنے کے لئے بلائی گئی ہے۔

اس کے بعد آپ کی درخواست پر قائم مقام وکیل اعلیٰ مولانا نذیر احمد صاحب مبشر نے عزیز احمد سعید جبرائیل کے بارہ میں بتلایا کہ ان کے پردادا محترم نانا بیسی (BAISI) مولانا نیّر صاحب مرحوم کے زمانہ میں داخل سلسلہ ہوئے تھے۔ احمد سعید کے والد صاحب کے بارہ میں مولانا مبشر صاحب نے فرمایا۔ انہوں نے سن ۱۹۳۷ء سے انتالیس تک مجھ سے قرآن، حدیث اور عربی کی تعلیم حاصل کی۔ آپ جوانی میں ہی تہجد گذار اور بہت مخلص تھے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد مقامی مبلّغ مقرر ہوئے۔ آپ صاحب رؤیا و کشوف تھے۔ ایک بار فٹ بال کی ایک ٹیم نے ان سے اپنی کامیابی کے لئے دُعا کی درخواست کی۔ چنانچہ انہوں نے دُعا کی۔ وہ ٹیم فاتح رہی تو اُن میں سے تین چار کھلاڑیوں نے بیعت کر لی۔ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ انہیں خاکسار گیمبیا کے لئے پاسپورٹ بنوانے کے لئے کہہ رہا ہے۔ چنانچہ مرکز کی طرف سے انہیں گیمبیا جانے کا ارشاد ہوا۔ اور ابتدائی طور پر وہاں سلسلہ کی خدمت کی توفیق انہیں نصیب ہوئی۔

مولانا کے ارشادات کے بعد احمد سعید جبرائیل نے وکالت تبشیر کا شکریہ ادا کیا۔ اور اپنے لئے دُعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے سلسلہ کی مقبول خدمت کی توفیق عطا فرماوے اور ہمیشہ خلافت کا وفادار بنائے۔ ازاں بعد مولانا مبشّر صاحب نے دُعا کرائی۔

احمد سعید جبرائیل غانا کے سنٹرل ریجن کی EKUMFI سٹیٹ کے "اکوچی" گاؤں کے فینٹی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس گاؤں کی آبادی قریبًا دو ہزار ہے۔ گاؤں کا ایک تہائی احمدیوں پر مشتمل ہے۔ احمد سعید واقف زندگی ہیں۔ آپ بفضلہٖ تعالیٰ غانا میں مرکزی مبلّغ کے فرائض سرانجام دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے عزائم اور افعال اور اقوال میں برکت ڈالے۔ آمین یارب العٰلمین۔

یہ روز کر مبارک

دس مئی بعد نماز عصر مسجد مبارک میں حضور پُرنور ایدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس کے خاندان کے ایک نکاح کا اعلان فرمایا۔

عزیز سید شعیب احمد سلمہ اللہ ابن سید میر محمود احمد صاحب کا نکاح درثمین احمد سلمہا اللہ تعالیٰ بنت مرزا مجید احمد صاحب سے پچیس ہزار روپیہ مہر پر قرار پایا۔

عزیز سید شعیب احمد صاحب حضرت میر محمد اسحاق صاحب کے پوتے ہیں جبکہ عزیزہ درثمین قمر الانبیاء حضرت میاں بشیر احمد صاحب کی پوتی اور حضرت سیدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی نواسی ہیں۔

خطبہ نکاح میں حضور پُرنور نے حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کی سیرت کے بعض درخشاں پہلو اس رنگ میں بیان فرمائے کہ حضرت میر صاحب کے شاگردوں کی آنکھیں آب دیدہ ہوگئیں۔ حضور نے حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کے تینوں پسران سید میر داؤد احمد صاحب مرحوم، میر مسعود احمد صاحب مبلغ ڈنمارک اور میر محمود احمد صاحب سابق مبلغ امریکہ کے اخلاص اور جذبۂ خدمت سلسلہ کو بھی سراہا۔ حضور نے جماعت کو انہیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھنے کیلئے بھی تاکید فرمائی۔

ادارہ اس موقعہ پر حضور پُرنور۔ عزیز سید شعیب احمد صاحب، محترم میر محمود احمد صاحب۔ صاحبزادی امۃ المتین بیگم صاحبہ۔ حضرت سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ۔ عزیزہ درثمین احمد صاحبہ۔ محترم مرزا مجید احمد صاحب۔ محترمہ قدسیہ بیگم صاحبہ اور حضرت سیدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ملتجی ہے کہ وہ اس بابرکت عقد کو سارے خاندان کے لئے مبارک کرے۔ آمین یا ربّ العٰلمین۔

اک ستارہ اور ٹوٹا

مکرم محترم غلام احمد صاحب عطاء ایم۔ ایس سی سابق وکیل الزراعت و ناظر زراعت کو مرحوم لکھتے وقت قلم کانپتا ہے۔ ساٹھ سال کی عمر پوری کر کے ابھی وہ ریٹائر ہی ہوئے تھے کہ تین مئی بعد نماز فجر انہیں خدائے ذوالعرش کا بلاوا آگیا۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْن۔

مرحوم نے بی۔ ایس سی میں گولڈ میڈل کا اعزاز حاصل کیا۔ ان کے والد حکیم غلام محمد صاحب امرتسری حضرت اقدس کے صحابی تھے۔ انہیں یہ اعزاز نصیب ہوا کہ انہوں نے دوسرے نمبر پر وصیت کی۔ مرحوم بچپن میں ہی پدری شفقت سے محروم ہوگئے تو ان کی عظیم والدہ محترمہ استانی میمونہ صوفیہ نے ان کو اعلیٰ تعلیم دلائی۔ محترم عطاء صاحب بتایا کرتے تھے کہ والدہ محترمہ نے مجھے کبھی پرانی کتابیں بیکر نہ دیں۔ ایم۔ ایس سی کرنے کے بعد والدہ محترمہ کی خواہش کے پیش نظر زندگی وقف کر دی۔ تئیس سال تک انہوں نے سندھ میں پہلے مینجر پھر لوکل ایجنٹ کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔ ریٹائرمنٹ کے وقت آپ وکیل الزراعت کے عہدہ پر کام کر رہے تھے۔ انہیں گورنمنٹ کی طرف سے امریکہ میں اعلیٰ تعلیم اور تربیت کے لئے وظیفہ کی پیشکش ہوئی۔ لیکن انہوں نے خدمتِ دین پر اسے ترجیح نہ دی۔

چند سالوں سے انہیں عارضۂ قلب ہوگیا تھا اور آخر میں تو ڈاکٹروں کی رائے تھی کہ ان کے دل کا تین چوتھائی ناکارہ ہوچکا ہے۔

اور اب اپریشن بھی نہیں ہو سکتا۔

یہ خدا کا فضل تھا کہ آپ کو خاندان حضرت اقدس سے بھی علاقہ ہو گیا۔ آپ کے بیٹے ڈاکٹر خالد عطاء حضرت مصلح موعود کی نواسی میاں عبدالرحیم صاحب احمد کی لڑکی سے بیاہے گئے۔ مرحوم صاحبزادی امۃ الرشید صاحبہ اور ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب ابن حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے رضاعی بھائی بھی تھے۔

مرحوم بے لوث، شریف النفس، مہمان نواز، ہر ایک کے ہمدرد اور غم خوار تھے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو جنت کے اعلیٰ مدارج عطا فرمائے اور آپ کے پسماندگان کا حافظ و ناصر ہو آمین۔

اک چراغ اور بجھا

جامعہ احمدیہ کے قدیم استاد، عربی، فارسی، اردو کے بلند پایہ شاعر مولانا ظفر محمد صاحب ظفرؔ دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم اعلیٰ علمی اور ادبی ذوق رکھتے تھے۔ ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد بھی اپنے اس فطری ذوق وشوق کو قائم رکھا۔ آخر عمر میں بہت سے عوارض لاحق ہو گئے تھے۔ لیکن کوئی بھی روک اُن کے اسپ شوق کو روک نہ سکا

قرآنی علوم سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ وہ اپنے شاگردوں سے بہت شفقت کا سلوک کرتے تھے۔ راقم الحروف بارہ سال کی عمر میں مدرسہ احمدیہ میں داخل ہوا۔ آپ کی اہلیہ محترمہ اور مولانا دونوں کے حسن سلوک سے حصّہ پاتا رہا۔ وہ مدرسہ احمدیہ کے چھوٹے طلباء سے اپنے بچوں کی طرح سلوک فرماتیں۔

محترم مولانا ظفر محمد صاحب کی سیرت کا ایک پہلو ان کی رجائیت اور اپنے ربّ کی تقدیر پر راضی رہنا اور گھمبیر حالات میں بھی خوش آئند لمحات کی اُمید کرنا تھا۔ مُلک کی تقسیم نے ہم سے ہمارا مرکز قادیان چھڑایا تو دل ہر وقت اُس مقدس دیار کی یاد میں آہیں بھرتا، آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اور نوجوان قادیان کی یاد میں شعر گنگنانے لگ جاتے۔ مولانا ظفر محمد صاحب نے ایک روز جامعہ کے ایک طالب علم کی آنکھوں کو اشکبار دیکھا تو شفیق استاد نے اس طالب علم سے رونے کا سبب دریافت کیا۔ طالب علم کے دل پر جو بیتی تھی اس نے کہہ دی۔ اس پر مولانا کے مضراب دل پر جو چوٹ لگی تو دل سے صدا بلند ہوئی۔ آپ نے اس لڑکے کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

مقدس داغ ہے اپنے دیے دل پر ⁂ نہ اُڑ جائے کہیں آہ و فغاں میں
تو سمجھا ہم پراگندہ ہوئے ہیں ⁂ میرے نزدیک ہم پھیلے جہاں میں
ظفرؔ گر ہوں حقیقت بیں نگاہیں ⁂ بہاریں ہی بہاریں ہیں خزاں میں

محترم مولانا صاحب کا جسد نظروں سے اوجھل ہوا ہے۔ ان کی یاد ہمیشہ دلوں میں باقی رہے گی۔

صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ نے اُن کے بیٹوں کے نام اپنے تعزیتی خط میں فرمایا :-

" حضرت مولوی صاحب مرحوم سے میرا ایک گہرا ذاتی تعلق تھا۔ اور بہت شفقت فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ سلسلہ کا ایک مخلص، خدا ترس، خدا رسیدہ عالم گذر گیا۔ جو سب جماعت کا نقصان ہے، محض آپ کا نہیں"

جانے والے ! تجھ پر خدا کی بے حد رحمتیں ہوں۔ خدا کی رحمت کی رداء آپ کا لباس ہو۔ آپ خدا کی رضا پر راضی رہتے تھے، اللہ تعالیٰ بھی آپ پر راضی ہو۔ آمین یا ربّ العٰلمین۔

جامعہ احمدیہ میں داخلہ

یہ دَور لیظہرہ علی الدین کلّہ کا مصداق ہے یعنی غلبہ دین حق بر ادیان باطلہ۔ جہاں یہ مقصد اللہ تعالیٰ کی تائید اور نشانات سے ہوگا۔ وہاں اس کے لئے اصلاحِ نفوس اور تبلیغ کی ضرورت ہے ـــــ جامعہ احمدیہ ان دونوں اغراض کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ اور اس درسگاہ کی بنیاد حضرت اقدس کے ہاتھوں رکھی گئی تھی۔ اس ادارہ کے تعلیم یافتہ مخلص مبلغین اکنافِ عالم میں تبلیغ کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔

ہماری تبلیغی ضروریات دن بدن بڑھ رہی ہیں۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ نوجوان اپنے آپ کو اس غرض کے لئے پیش کریں۔ ماں باپ اپنے بچوں کو اس کی تحریک کریں۔ جامعہ احمدیہ میں داخلہ کا کم از کم معیار میٹرک سیکنڈ ڈویژن ہے۔ چھ سال کے بعد جب آپ کا بچہ فارغ التحصیل ہوگا تو وہ اعلائے کلمۃ اللہ کا فریضہ سرانجام دے گا۔ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔

کچھ اہل قلم سے

اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ احمدیہ کو سلطان القلم کے خطاب سے نوازا۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ یہ زمانہ جہاد کبیر یعنی تبلیغ کا ہے۔ قدرتِ ثانیہ کے پہلے مظہر حضرت مولانا نورالدین صاحب نے جب سیّدنا حضرت اقدس سے عرض کیا کہ مجھے قربِ الٰہی کے حصول کے لئے کوئی مجاہدہ ارشاد فرمائیں تو آپ نے فرمایا۔ اسلام پر ہونے والے اعتراضات کے جواب دیں۔ حضور نے یہ بھی فرمایا تھا کہ عمل صالح کے معنے ہی یہی ہیں کہ وہ وقت کے مناسب ہو ـــــ آج ضرورت ہے کہ ہماری جماعت کے افراد اپنی ذہنی صلاحیتوں کا اظہار قلم کے ذریعہ بھی فرمائیں۔

بفضل اللہ انصار بزرگ اس طرف توجہ دے رہے ہیں لیکن یہی عرض کروں گا ـــــ نرخ بالاکُن کہ ارزانی ہنوز

ما اتاکم الرسول فخذوہ
ومانھاکم عنہ فانتھوا

سُنّت رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ نَفَرًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَاَلُوْا اَزْوَاجَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ عَمَلِہٖ فِی السِّرِّ فَقَالَ بَعْضُھُمْ لَا اَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ وَقَالَ بَعْضُھُمْ لَا اَنَامُ عَلٰی فِرَاشٍ فَحَمِدَ اللّٰہَ وَاَثْنٰی عَلَیْہِ۔ فَقَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ قَالُوْا کَذَا وَکَذَا لٰکِنِّیْ اُصَلِّیْ وَاَنَامُ وَاَصُوْمُ وَ اُفْطِرُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَآءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ۔

(مسلم کتاب النکاح باب استحباب النکاح)

ترجمہ:۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہ میں سے بعض نے ازواجِ مطہرات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی خلوت کے بارہ میں دریافت کیا۔ ان میں سے بعض نے کہا۔ مَیں شادی نہیں کروں گا۔ بعض نے کہا میں بستر پر نہیں سوؤنگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو جب اُن کے اقوال کا علم ہُوا۔ تو آپ نے خدا کی تحمید و ثنا کے بعد فرمایا۔ لوگوں کو کیا ہوگیا، وہ اس قسم کے خیالات کا اظہار کر رہے ہیں۔ مَیں تو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ مَیں نے شادیاں بھی کیں۔ جو میری سنّت سے مُنہ پھیرتا ہے وہ میرا نہیں۔

شرح:۔ اسلام میں رہبانیت نہیں۔ وہ انسانی صلاحیتوں کو اجاگر کرتا ہے۔ اُن کو مسخ نہیں کرتا۔ وہ اعتدال کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ اعلیٰ وصف ہے کہ امور دنیوی اسے راہِ خدا سے نہ روکیں۔ وہ ان سب فرائض کو ادا کرے کہ یہ بھی خدا کی طرف سے عائد کئے گئے ہیں۔ انہیں حکمِ خداوندی سمجھ کر بجالائے گا تو یہ سب موجب ثواب ہے۔ اور ان ذمّہ داریوں سے فرار سنّت نبوّی کے خلاف ہے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سیرتِ طیّبہ کا ایک ورق

صبر و استقامت

یہ مقالہ مکرم محترم مولانا بشارت احمد صاحب بشیر نے اجتماع انصار اللہ مرکزیہ ۱۹۸۱ء کے موقع پر پیش کیا۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اخلاقِ فاضلہ اور اوصافِ حمیدہ میں سے ایک بلند پایہ وصف "صبر و استقامت" بھی ہے۔ یہ وہ وصف ہے جس کی بدولت تمام گروہِ انبیاء ہمیشہ مظفّر و منصور اور بامراد ہوتے چلے آئے ہیں۔ حضرت ایّوب علیہ السّلام کا صبر زبان زدِ خلائق ہے۔ حضرت یوسف علیہ السّلام جسے بھائیوں نے غلام بنا کر فروخت کیا تھا آخر کار صبر ہی کی بدولت خدا تعالیٰ نے انہیں تخت پر بٹھا دیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السّلام نے اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا جواب سُن کر سَتَجِدُنِی اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصَّابِرِیْنَ کہہ کہ کمال صبر و استقامت کا نمونہ دکھایا۔ تاہم ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفٰے صلّی اللہ علیہ وسلّم (فداہ نفسی وامی وابی) اس خلق میں تمام زُمرۂ انبیاء میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ آپ کا صبر و استقامت دوسرے انبیاء کا سا نہ تھا۔ پہلے انبیاء کی دعوت مختص بالقوم والزمان تھی۔ اس لئے ان کی تکالیف اور ایذارسانیاں بھی اسی حد تک محدود تھیں۔ اس کے بالمقابل آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا صبر بے نظیر اور عدیم المثال تھا۔ سب سے پہلے اپنی قوم مخالف ہوئی۔ پھر دوسری اقوام یہودی اور عیسائی بھی مخالف ہوئے لیکن آپ ان سب کے مقابل پر کوہِ وقار ثابت ہوئے اور آپ کی استقامت اور پائے ثبات میں ذرّہ بھر لغزش نہیں آئی۔ اور حسبِ ارشادِ ربّانی فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ (سورۃ ہود آیت ۱۱۳) اور فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (الاحقاف آیت ۳۶) صبر و استقامت کا وہ اعلیٰ نمونہ پیش کیا جس کی نظیر پہلے انبیاء میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔ یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ حق پر استقامت اپنے مقصد کی عظمت اور مخالفت کی شدّت اور نوعیت سے پہچانی جاتی ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جسے نظر انداز کیا جاتا ہے اور سیرت کا یہی وہ پہلو ہے جس میں آپ تمام انبیاء سے ممتاز نظر آتے ہیں۔

صبر کے لغوی معانی

صبر ایک عربی لفظ ہے جس کے معنیٰ ہیں۔ تَرْكُ الشَّكْوٰى مِنْ اَلَمِ الْبَلْوٰى لِغَيْرِ اللّٰهِ یعنی جب کوئی مصیبت اور ابتلاء انسان کو پہنچے تو خدا تعالیٰ کے سوا دوسروں کے پاس اس کی شکایت نہ کرنا صبر کہلاتا ہے۔ اگر وہ اپنی بے بسی اور بے کسی کی شکایت خدا تعالیٰ کے حضور کرتا ہے تو یہ صبر کے منافی نہیں ہے۔ چنانچہ لغت کی کتاب اقرب الموارد میں لکھا ہے اِذَا دَعَا اللّٰهَ الْعَبْدُ فِىْ كَشْفِ الضُّرِّ عَنْهُ لَا يُقْدَحُ فِىْ صَبْرِهٖ۔ یعنی جب بندہ خدا تعالیٰ سے اپنی مصیبت کے دُور کرنے کے لئے دُعا کرتا ہے

تو اس پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ اُس نے بے صبری دکھائی ہے۔ کلیاتِ ابی البقار میں صبر کو ایک اعلیٰ درجہ کی صفت قرار دیا گیا ہے اور مختلف حالات میں اس کے مختلف نام رکھے ہیں مثلاً لڑائی میں انسان استقامت سے کام لیتا ہے اور مشکلات سے نہیں گھبراتا تو شجاع کہلاتا ہے۔ اور اگر ضروریاتِ زندگی سے زائد چیزوں کے متعلق انسان اپنی خواہشات کو ترک کر دے اور نفس کو روک لے تو اسے قناعت اور عفت کہتے ہیں۔ گویا صبر کے معنیٰ بوقتِ مصائب و مشکلات اوّل۔ خدا تعالیٰ سے مشکل کشائی طلب کرنا۔ دوم شجاعت۔ سوم قناعت و عفت کے ہیں۔ آیئے اب ہم صبر کے ان معانی ومفاہیم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سیرتِ طیّبہ کی روشنی میں تلاش کریں۔

جب قریش مکہ نے آپ کی دعوت الی الخیر کو رَدّ کر دیا اور تشدّد پر اُتر آئے تو آپؐ نے طائف کا رُخ کیا۔ یہ شہر مکّہ مکرمہ سے کوئی ساٹھ میل کے قریب جنوب مشرق کی طرف واقع ہے۔ لات نامی بُت جس کا ذکر سورۃ النجم میں آتا ہے اسی شہر طائف والوں کا بُت تھا۔ آپ نے وہاں پہنچ کر اپنے جان نثار خادم حضرت زیدؓ کے ہمراہ شہر کے بازاروں اور کوچوں میں خدا تعالیٰ کی وحدانیت کی صدا بلند کی۔ اہلِ طائف نے مشورہ کر کے شہر کے غنڈوں اور اوباشوں کو اکسایا جنہوں نے پتھروں سے اپنی جھولیاں بھر لیں اور بے دردی سے آپ پر پتھراؤ کرنا شروع کردیا اور اس حالت میں شہر سے کئی میل تک آپ کا تعاقب کیا۔ آپ ان ظالموں کے ہاتھوں لہولہان ہوگئے۔ باوجود ان اہلِ طائف کے ظلم وستم کے آپ نہایت الحاح سے دُعا کرتے ہیں کہ الٰہی ان لوگوں کو معاف کر کہ یہ نہیں جانتے کہ یہ کیا کر رہے ہیں۔ اب آپ تھکے ماندے زخموں سے چور ہو کر ایک انگورستان کے سایہ میں پناہ گزین ہوتے ہیں۔ آپؐ نے یہاں خدا تعالیٰ کے حضور نہایت تضرع و انکسار کے ساتھ بدیں الفاظ دُعا کی :-

اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْا ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّۃَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْن .... الخ

ترجمہ :- اے میرے ربّ میں تیرے حضور اپنی بے بسی اور بے سروسامانی اور لوگوں کی نظروں میں اپنے حقیر ہونے کی شکایت کرتا ہوں۔ لیکن تو غریبوں اور کمزوروں کا خدا ہے اور تو میرا خدا ہے تو مجھے کس کے ہاتھوں میں چھوڑے گا؟ کیا اجنبیوں کے ہاتھوں میں جو مجھے اِدھر اُدھر دھکیلتے پھر رہے۔ یا اس دشمن کے ہاتھ میں جو میرے وطن میں مجھ پر غالب ہے۔ اگر تیرا غضب مجھ پر نہیں تو مجھے ان دشمنوں کی کوئی پرواہ نہیں۔ تیرا رحم میرے ساتھ ہے اور تیری عافیت میرے لئے زیادہ وسیع ہے۔ میں تیری ذات میں پناہ چاہتا ہوں۔ یہ تیرا ہی کام ہے کہ تو تاریکی کو دُنیا سے بھگا دے اور اس دُنیا اور اگلی دُنیا میں امن بخشے۔ تیرا غصّہ اور تیری غیرت مجھ پر نہ بھڑکیں تو اگر راضی بھی ہوتا ہے تو اس لئے کہ پھر خوشی کا اظہار کرے اور تیرے سوا کوئی حقیقی طاقت اور کوئی حقیقی پناہ کی جگہ نہیں ہے۔

یہ ہیں صبر کے ایک معنیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم حصولِ مقصد کے لئے اپنی بے بضاعتی اور بے بسی کا شکوہ خدا تعالیٰ کے سوا اور کسی کے پاس نہیں کرتے۔

چنانچہ سر ولیم میور آپ کے اس سفر طائف میں آپ کے اس عدیم المثال صبر و استقامت سے متأثر ہو کر اعتراف کرتا ہے کہ

"محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے سفر طائف میں عظمت اور شجاعت کا رنگ نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ ایک تنہا شخص جسے اس کی قوم نے اس کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور اسے ردّ کر دیا خدا کے نام پہ بہادری کے ساتھ اپنے شہر سے نکلتا ہے اور نینوا کے یونس نبی کی طرح ایک بُت پرست شہر کو توبہ کی وعظ کرتا ہے اور توحید کی طرف بلاتا ہے۔ اس واقعہ سے یقیناً اس بات پر بہت روشنی پڑتی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے صدقِ دعویٰ پہ کس درجہ ایمان تھا"۔ (دی لائف آف محمدؐ صـ۱۱۱)

جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے کہ نفسانی خواہشات کو ٹھکرا دینا اور ہر قسم کی طمع و لالچ سے بچنا صبر کہلاتا ہے۔ چنانچہ قریشِ مکّہ نے مختلف اوقات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوطالب کی خدمت میں اپنے وفود بھجوائے۔ اُن میں سے ایک وفد عتبہ بن ربیعہ قریش کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا محمد کیا چاہتے ہو؟ کیا مکّہ کی ریاست؟ یا کسی بڑے گھرانے میں شادی؟ یا دولت کا ذخیرہ؟ اس کے بدلہ میں ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ بتوں کو بُرا کہنا چھوڑ دیں اور پھر ابوطالب کو مخاطب کرکے کہا اگر یہ باز نہ آئے تو دو باتوں میں سے ایک ہوگی یا آپ کو اپنا بھتیجا چھوڑنا پڑے گا۔ یا آپ کی قوم آپ کی ریاست سے انکار کرکے آپ کو چھوڑ دے گی۔ جب ابوطالب نے یہ بات دیکھی تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ان کے آنسوؤں کو دیکھ کر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے اور آپ نے فرمایا:

"چچا میں یہ نہیں کہتا کہ آپ اپنی قوم کو چھوڑ دیں اور میرا ساتھ دیں۔ آپ بے شک میرا ساتھ چھوڑ دیں اور اپنی قوم کے ساتھ مل جائیں یَا عَمِّ وَاللّٰہِ لَوْ وَضَعُوا الشَّمْسَ فِیْ یَمِیْنِیْ وَالْقَمَرَ فِیْ یَسَارِیْ عَلٰی اَنْ اَتْرُکَ ھٰذَا الْاَمْرَ حَتّٰی یُظْھِرَہٗ اَوْ اُھْلِکَ فِیْہِ مَا تَرَکْتُہٗ۔
ترجمہ:۔ اے میرے چچا بخدا اگر یہ لوگ سورج کو میرے دائیں اور چاند کو میرے بائیں لاکر کھڑا کر دیں تب بھی میں توحید کا وعظ کرنے سے باز نہیں رہ سکتا۔ میں اپنے کام میں لگا رہوں گا جب تک خدا مجھے موت دے۔"

(سیرت ابن ہشام)

ایک طرف ظلم کی انتہا ہورہی ہے کہ آخری سہارے سے بھی آپ کو محروم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور دوسری طرف آپ ہیں کہ نہایت ہی صبر و استقامت اور جرأت و استقلال کے ساتھ اعلان فرماتے ہیں کہ یہ سب ظلم منظور مگر یہ ناممکن ہے کہ خدا تعالیٰ نے میرے سپرد جو مشن کیا ہے اس میں ذرّہ بھر بھی کمی آنے دوں۔ اس سے بڑھ کر بھلا صبر و استقامت کی نظیر کہاں مل سکتی ہے۔

صبر کے ایک معنی شجاعت کے بھی ہیں۔ جنگ حنین میں مسلمانوں کی فوج کی تعداد ۱۲ ہزار تھی۔ اس کثرت کے خیال نے صحابہ کے اندر تکبّر پیدا کر دیا۔ اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ اسی کی طرف قرآن مجید میں اشارہ ہے۔ لیکن خدا کی شان کہ دشمن کے مقابلہ میں مسلمانوں کی کثیر تعداد فوج دفعۃً میدان سے نکل بھاگی۔ اکثر صحابہ کے قدم بھی اکھڑ گئے۔ لیکن صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے جو نہایت سکون اور اطمینان سے چند جان نثاروں کے ساتھ ڈٹے رہے۔ اور اس نازک موقع پر اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب۔ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ پڑھتے ہوئے دشمن کی طرف بڑھے۔ صحیح بخاری میں لکھا ہے غادہ بردا وَبَقِیَ وَحْدَہٗ۔ سب کے پاؤں اکھڑ گئے مگر آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم تنہا ڈٹے رہے۔ ایسے نازک وقت میں دشمن کی تمام فوج کا نشانہ صرف آپ کی ذات پاک رہ گئی۔ مگر آپ کے پائے اقدس میں ذرہ بھر لغزش نہیں آئی۔ حضرت براءؓ جو اس معرکہ میں شامل تھے فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم جب لڑائی زور پر ہوتی تھی تو ہم لوگ آپؐ ہی کے پہلو میں آکر پناہ لیتے تھے اور ہم میں سب سے بڑا بہادر وہ شخص ہوتا تھا جو آپ کے ساتھ کھڑا ہوتا تھا۔ (بخاری و مسلم غزوہ حنین)

ایک مرتبہ مدینہ میں شور ہوا کہ دشمن آگیا۔ لوگ مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے لیکن سب سے پہلا شخص جو بڑھ کر آگے نکلا وہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔ جلدی میں آپؐ نے اس امر کا بھی انتظار نہیں کیا کہ گھوڑے پر زین کسی جائے۔ بلکہ اس کی برہنہ پشت پر سوار ہو کر آپ تمام خطروں کے مقامات پر گشت لگا کر واپس آگئے اور لوگوں کو تسلی دی لَمْ تُرَاعُوا لَمْ تُرَاعُوا کہ کوئی خطرہ کی بات نہیں۔ جس پر تمام لوگ بہ اطمینان گھروں کو واپس لوٹ گئے۔ (بخاری کتاب الجہاد باب اذا فزعوا باللیل)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف خود مصائب و مشکلات جھیلتے بلکہ اپنے صحابہ کو بھی صبر و تحمل کی تعلیم دیتے۔ چنانچہ روایت آتی ہے کہ آپؐ ایک مرتبہ خانہ کعبہ کے پاس ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ اتنے میں خباب بن الارت اور بعض دوسرے صحابہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ مسلمانوں کو قریش کے ہاتھ سے اتنی تکالیف پہنچ رہی ہیں۔ آپؐ ان کے لئے بددعا کیوں نہیں کرتے۔ آپؐ یہ سنتے ہی اُٹھ کر بیٹھ گئے اور آپؐ کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ اور فرمایا تم سے پہلے وہ لوگ گذرے ہیں جن کا گوشت لوہے کے کانٹوں سے نوچ نوچ کر ہڈیوں تک صاف کر دیا گیا مگر وہ اپنے دین سے متزلزل نہیں ہوئے اور وہ لوگ بھی گذرے ہیں جن کے سروں پر آرے چلا کر ان کو دو ٹکڑے کر دیا گیا مگر ان کے قدموں میں لغزش تک نہیں آئی۔ دیکھو خدا اس کام کو ضرور پورا کرے گا۔ حتیٰ کہ شتر سوار شام کے شہر صنعا سے لے کر حضر موت تک سفر کرے گا اور اس کو سوائے خدا کے اور کسی کا ڈر نہیں ہوگا۔ مگر تم تو جلدی کرتے ہو۔ (بخاری باب علامات نبوت)

دُنیا میں فتح و کامرانی کے لئے مادّی سامانوں اور تیاریوں کی ضرورت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا لیکن صرف یہ چیزیں کافی نہیں۔ ان سے بدرجہا زیادہ اہم اور ضروری چیز صبر و استقامت۔ ایثار و استقلال اور حصولِ مقصد کی راہ میں پیش آنے والے مصائب و مشکلات کو حوصلہ مندی کے ساتھ برداشت کرنا ہے۔ جو قوم ان اوصاف سے متصف ہوگی وہ ضرور کامیابی سے ہمکنار ہوگی۔

ہم بھی آج ایک مقصد اور عزم لے کر اُٹھے ہیں۔ وہ دُنیا میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو چار دانگ عالم پہنچانا ہے۔ ہماری راہ میں مشکلات کے پہاڑ جو حائل ہیں وہ ہمارے صبر اور استقامت کے باعث ہی ایک نہ ایک دن پاش پاش ہو جائیں گے۔ آسمانِ عالم پر سے ظلم و ستم کے بادل چھٹ جائیں گے اور اسلام کا پرچم ساری دُنیا پر لہرائے گا۔ اس لئے ہم میں سے ہر ایک کو حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ حسنہ سے سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ صبر و استقامت میں ہی فتح و ظفر کی کلید ہے۔

اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمّدٍ وعلیٰ آلِ محمّدٍ و بارِکْ وسلّم انّک حمیدٌ مجیدٌ

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:۔
"مصیبت نازل ہونے پر صبر سے کام لے اور ہمیشہ خدا کی حضوری میں حاضر رہ ..... گذرے ہوئے اور آنے والے خیالات میں اپنے آپ کو مت الجھاؤ۔ اور ہر حالت میں راضی رہو۔" (تذکرۃ الاولیاء ص۱۳۱)

حضرت مجدّد الف ثانیؒ

غلام باری سیف

حضرت مجدّد الف ثانیؒ ۲۶ جون ۱۵۶۳ء جمعہ کی رات جب کہ چاند کی چودھویں تاریخ تھی، صبح کے وقت سرہند میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم شیخ عبدالاحد نے بیٹے کا نام احمد رکھا۔ کنیت آپ کی ابوالبرکات تھی۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ کمسنی میں ہی قرآن مجید حفظ کیا۔ دیگر علوم دینی اور حدیث شریف کی تدریس کیلئے سیالکوٹ اور لاہور کا سفر اختیار کیا۔ سترہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے اور اپنے والد محترم کی نگرانی میں دوسرے طلباء کو پڑھانا شروع کیا۔ آگرہ تشریف لے گئے تو ابوالفضل اور فیضی کے ساتھ نشست رہی۔ فیضی کی بے نقط تفسیر میں آپ نے قلمی معاونت بھی فرمائی۔

یہاں ابوالفضل سے کچھ بدمزگی بھی پیدا ہوئی۔ کبیدہ خاطر ہو کر آپ نے اس سے ملنا جلنا بھی ترک کر دیا۔ آگرہ میں جب اکبر نے "دینِ الٰہی" ایجاد کیا تو آپ نے اس کی تقلید اور ملحدانہ روش کو اکراہ کے ساتھ دیکھا۔ ایک روز ہلالِ عید کی روئت کے بارہ میں شبہ تھا۔ ابوالفضل نے مجدّد الف ثانیؒ سے کہا۔ بادشاہ نے چاند خود دیکھا ہے۔ آپ نے بے ساختہ جواب دیا۔ "بادشاہ بے دین است اعتبارے ندارد"۔ بادشاہ بے دین ہے اس کی گواہی پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

آگرہ سے آپ خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں دلّی تشریف لے گئے۔ چھ ماہ تک وہاں قیام کرنے کے بعد پھر سرہند واپس لوٹ آئے۔ پھر ایک کشف کی بناء پر لاہور تشریف لے گئے۔

لاہور میں آپ کو حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی وفات کی خبر ملی۔ آپ دلّی تشریف لے گئے۔ مگر بعض حاسدین کی دلآزار روش کے باعث زیادہ دن وہاں نہ ٹھہر سکے۔

جہانگیر کے دورِ حکومت میں اس نے حضرت مجدّد کی تبلیغی اور تربیتی سرگرمیوں کا سنا۔ اس کے خوشامدی درباریوں نے حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے خلاف اس کے کان خوب بھرے۔

حضرت مجدّد الف ثانیؒ نے اپنے ایک مرید شیخ بدیع الدین کو جہانگیر کے لشکر میں تبلیغ کے لئے بھیجا۔ بدیع الدین نے بجائے نرمی اور دُور اندیشی کے آتش مزاجی سے کام لیا۔ لوگ برہم ہو گئے۔ اور مخالفت کا ایک طوفان اُبل پڑا۔ اور خود حضرت مجدّد کے دینی نظریات کے بارہ میں بہت غلط فہمیاں پھیلائی گئیں۔ آپ کے بعض صوفیانہ حقائق کو غلط رنگ میں پیش کر کے کُفر کے فتوے لگائے گئے۔

جہانگیر نے حضرت مجدّد الف ثانی کو دربار میں طلب کیا۔ آپ نے بادشاہ کے سوالات کے شافی جواب دیئے۔ لیکن آدابِ دربار کا روایتی سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے آپ کو گوالیار کے قلعہ میں محبوس کر دیا۔ آپ کے گھر بار کو لوٹ لینے کا حکم صادر کیا۔ اور آپ کا مال و

اسباب، کُتب خانہ اور جائیداد ضبط کر لی گئی۔

ایک روز جیل میں کسی بات پر اہل کار نے آپ کے منہ پر تھپڑ مارا جس سے آپ کا ایک دانت ہل گیا۔ کسی نے اس بارہ میں استفسار کیا تو فرمایا سنّت نبویؐ کا ایک ہلکا سا پرتو ہے کہ وہ حال متبعین پر بھی گذرا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم پر گذرا یعنی جنگِ اُحد میں حضورؐ کا دانت مبارک شہید ہوا تھا۔

بالآخر جہانگیر اپنے کئے پر شرمسار ہوا۔ آپ کو رہا کیا۔ دربار میں بُلا کر خلعت اور ایک ہزار روپیہ کا نذرانہ پیش کیا۔

حضرت میاں بشیر احمد صاحب بیان فرماتے ہیں " اسلام کے گذشتہ مجددین کے متعلق بھی حضرت اقدس بڑی غیرت رکھتے تھے۔ ایک دفعہ لاہور میں ہمارے بڑے بھائی حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد نے اپنے بچپن کے زمانہ جہانگیر کا شاندار مقبرہ دیکھنے کا شوق ظاہر کیا۔ اس پر حضرت اقدس نے نصیحت کے رنگ میں فرمایا:۔

" میاں تم جہانگیر کا مقبرہ دیکھنے کے لئے بے شک جاؤ۔ لیکن اس کی قبر پر کھڑے نہ ہونا۔ کیونکہ اس نے ہمارے ایک بھائی مجدد الف ثانیؒ کی ہتک کی تھی۔" (سیرت طیبہ مع ضمیمہ درمنثور صـ۱۰۸)

آپ کی وفات ترسٹھ سال کی عمر میں ۲۹ صفر ۱۰۳۴ھ بمطابق یکم دسمبر ۱۶۲۴ء ہوئی۔

آپ کے اقوال میں یہ اقوال بھی ہیں کہ سب سے بڑی عبادت کلمہ طیبہ لا الٰہ الّا اللہ کی نفی اور اثبات میں ہے۔ مرید کی آفت پیر کی ایذاء میں ہے۔ اسلام کی بقاء کی خاطر اپنے نفع و نقصان کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔

حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا ـــــ ارشادِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم

" تم اس وقت جھوٹے نہ بولو اور بالکل سچ کہو کہ کیا وہ محبّت جو خدا سے کرنی چاہئے اور صدق و ثبات جو اس کی راہ میں دکھلانا چاہیئے وہ تم میں موجود ہے؟ تم خدائے عزّوجل کی قسم کھا کر کہو کہ اس مُردار دنیا کو جس صفائی سے ترک کرنا چاہیئے کیا تم اُسی صفائی سے ترک کر چکے ہو۔ اور جس اخلاص اور توحید اور تفرید خدائے واحد لاشریک کی طرف دوڑنا چاہیئے کیا تم اسی اخلاص سے اسکی راہ میں دوڑ رہے ہو؟"

(نزول المسیح صـ۹۳)

سوال وجواب

(مرسلہ مکرم مولوی بشیر احمد صاحب اختر ربوہ سابق مبلغ افریقہ)

کیا کشمیر آسمان سے دُور ہے :

محترم مولانا ابوالعطاء صاحب مرحوم فرماتے ہیں :-

"۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۶ء تک مجھے بلادِ عربیہ میں تبلیغ اسلام واحمدیت کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس عرصہ میں عیسائی پادریوں اور غیر احمدی علماء سے بھی متعدد مباحثے ہوتے رہے۔

ایک دفعہ نابلس شہر کے چند استاد ملنے کیلئے دارالتبلیغ آئے۔ اس وقت چند احمدی بزرگ بھی موجود تھے جن میں حضرت شیخ علی القزق مرحوم بھی تھے۔ ان اساتذہ نے قہوہ وغیرہ پینے کے بعد کہا کہ ہم کچھ سوالات کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ شوق سے دریافت فرمایئے۔ ایک استاد نے کہا کہ آپ وفاتِ مسیح کے قائل ہیں؟ میں نے کہا کہ قرآن مجید میں حضرت مسیحؑ کی وفات کا ذکر ہے۔ اس لئے ہم لوگ وفاتِ مسیحؑ کے قائل ہیں۔ اس نے کہا کہ اگر وہ فوت ہو گئے ہیں تو ان کی قبر کہاں ہے؟ میں نے کہا کہ ان کی قبر سری نگر کشمیر میں ہے۔ اس پر دوسرے استاد نے دخل دیتے ہوئے کہا کہ اتنی دُور؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ ابھی میں نے کوئی جواب نہ دیا تھا کہ ہمارے مرحوم بھائی علی القزق نے جھٹ فرمایا :-

هَلْ بِلَادُ الْكَشَامِرَةِ اَبْعَدُ مِنَ السَّمَاءِ

کہ کیا کشمیر کا علاقہ آسمان سے بھی دُور ہے؟ اس پر وہ اساتذہ خاموش ہو گئے اور پوچھنے والے نے مجھے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ نے ان کو خوب سکھایا ہے۔ میں نے کہا کہ یہ بات تو مجھے بھی نہ سوجھی تھی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی سکھاتا ہے۔"

(برہانِ ہدایت جلد اوّل ص۳۷۸، ۳۷۹)

قبرِ مسیحؑ کہاں ہے؟

محترم مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل مرحوم فرماتے ہیں :-

"حیفا کے مشہور قد آور شیخ عبداللطیف العبوشی ایک دن اپنے چند شاگردوں سمیت اچانک دارالتبلیغ میں آگئے۔ میں اس وقت اکیلا ہی تھا۔ آتے ہی شیخ موصوف نے کہا جِئْتُ الْيَوْمَ لِأُلْقِمَكَ حَجَرًا کہ میں آج آپ کا منہ بند کرنے آیا ہوں۔ میں نے کہا تَفَضَّلْ وَاجْلِسْ نَشْرَبُ الْقَهْوَةَ ثُمَّ نَتَحَدَّثُ کہ آپ تشریف تو رکھیں۔ پہلے قہوہ نوش فرمائیں

پھر گفتگو ہو گی۔ چنانچہ میں نے جھٹ پٹ سٹوو پر قہوہ بنا کر پیش کر دیا۔ اتنے میں جماعت کے بعض دوست بھی دار التبلیغ میں آ گئے۔ میں نے کہا کہ اب فرمایئے کیا سوال ہے؟ کہنے لگے کہ آپ وفاتِ مسیحؑ کے قائل ہیں۔ بتائیں ان کی قبر کہاں ہے؟ میں سمجھ گیا کہ یہ محض مجادلہ کے لئے آئے ہیں۔ تحقیق مقصود نہیں ہے۔ اس لئے میں نے کہا کہ جنابِ عالی! ہمیں ان کی قبر سے کیا سروکار ہے۔ کیا ہم نے اس قبر کی عبادت کرنی ہے۔ اس پر شیخ صاحب نے اپنے شاگردوں کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا اور مجھے کہا کہ نہیں ہمیں اس سوال کا جواب معین مطلوب ہے۔ میں نے پھر کہا کہ جب قرآن مجید نے حضرت مسیحؑ کی وفات کا ذکر فرما دیا ہے تو ہمارے لئے یہ کافی ہے۔ ہمیں وفاتِ مسیح پر ایمان لانا چاہیئے۔ قبر ان کی کہاں ہے اس کا علم ضروری نہیں آئے۔ میں قرآن پاک سے وفاتِ مسیحؑ ثابت کر دیتا ہوں۔ اس پر شیخ صاحب اور تیز ہو گئے اور کہنے لگے کہ میں تو صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ ہمیں مسیحؑ کی قبر کی نشاندہی کریں۔ ہم اور کوئی بات نہیں کرنا چاہتے۔ پھر شاگردوں سے کہنے لگے کہ کیا میں نے نہ کہا تھا کہ قادیانی مبلغ اس سوال کا جواب نہ دے سکے گا۔ پھر اپنے طلبا سے پوچھا کہ تم نے "الخلیل" شہر دیکھا ہے۔ وہاں نبیوں کی قبریں دیکھی ہیں۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ شیخ صاحب نے کہا کہ وہاں مسیح کی قبر ہے؟ طلبا نے کہا کہ نہیں۔ اس پر استاد نے کہا اِذَنْ هُوَحَیٌّ فِی السَّمَاءِ یُرْزَقُ کہ تب ماننا پڑے گا کہ مسیح آسمان پر زندہ ہیں۔ پھر شیخ نے مجھے کہا کہ آپ کو ضرور بتانا چاہیئے کہ مسیح کی قبر کہاں ہے۔ ہم اور بات نہ کریں گے۔ جب بات اس مرحلہ تک پہنچ گئی تو میں نے کہا۔ اگرچہ یہ ضروری سوال نہیں اور قرآن مجید کے اعلان وفاتِ مسیح کے بعد ہم پر قبر کی نشاندہی کی ذمہ داری نہیں ہے۔ لیکن آپ کی ضد کو توڑنے کے لئے میں کہتا ہوں اِنَّ قَبْرَ عِیْسٰی فِی جَنْبِ قَبْرِ نُوْحٍ کہ حضرت مسیح کی قبر حضرت نوح کی قبر کے پہلو میں ہے۔ اس پر شیخ بھی اور شاگرد بھی میرے منہ کی طرف دیکھنے لگ گئے اور پوچھنے لگے اَیْنَ قَبْرُ نُوْحٍ کہ نوحؑ کی قبر کہاں ہے؟ میں نے کہا کہ مسیح کی قبر کے دائیں جانب۔ وہ اور حیران ہوئے۔ میں نے طلبا سے پوچھا کہ "الخلیل" میں تم نے نوحؑ کی قبر دیکھی ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ میں نے کہا اِذَنْ هُوَحَیٌّ فِی السَّمَاءِ تب پھر نوحؑ بھی آسمان پر زندہ ہوں گے۔ اب اس الزامی جواب پر شیخ عبد اللطیف العبوشی بھی ششدر رہ گئے۔ آخر کہنے لگے کہ اچھا یہی بتاؤ تو سہی کہ آپ کے عقیدہ کے مطابق مسیح کی قبر کہاں ہے؟ تب میں نے انہیں آیت قرآنی وَاٰوَیْنٰھُمَا اِلٰی رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِیْنٍ (المؤمنون : ۵۱) کی تفسیر کرتے ہوئے بتایا کہ مسیح سری نگر میں دفن ہیں۔ اس پر وہ خاموش ہو کر چلے گئے۔" (برہانِ ہدایت جلد دوم صفحہ ۲۴۰، ۲۴۱)

"حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق روایت ہے کہ آپ ایک مرتبہ مسجد کے دروازے پر پہنچ کر کھڑے ہو گئے اور رونے لگے لوگوں نے سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میں اپنے آپ کو حائضہ عورت کی طرح پاتا ہوں۔ جو اپنی ناپاکیزگی کی وجہ سے مسجد میں جانے سے ڈرتی ہے۔"

(تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۱۳۵ مطبوعہ خورشید عالم پریس لاہور)

درس القرآن

صحابہ کرامؓ کی فدائیت کے تین واقعات

یہ مقالہ مکرم مولانا چراغدین صاحب مربی سلسلہ احمدیہ نے سالانہ اجتماع انصار اللہ ۱۹۸۱ء کے موقعہ پر پڑھا

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ
مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۙ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ
الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۚ

(سورۃ احزاب آیت ۲۴، ۲۵)

یعنی مومنوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اُس وعدہ کو جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا سچّا کر دکھایا۔ پس بعض تو ایسے ہیں جنہوں نے اپنی نیت کو پورا کر دیا یعنی لڑتے لڑتے مارے گئے۔ اور اُن میں سے بعض ایسے ہیں جو ابھی انتظار کر رہے ہیں اور اپنے ارادہ میں کوئی تزلزل نہیں آنے دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ایسے صادقوں کو اُن کے صدق کا بدلہ دے گا۔ اور اگر چاہے گا تو منافقوں کو عذاب دے گا۔ یا اُن پر رحم کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ یقیناً بڑا بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

اِن آیاتِ کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریف و توصیف بیان فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنے آقائے نامدار کی پاکیزہ صحبت میں رہنے کی وجہ سے اپنے اندر ایک ایسی پاک تبدیلی پیدا کی کہ وہ خدا نما انسان بن گئے۔ اور اُن کے اندر اخلاص و وفاشعاری اور محبت و فدائیت کی وہ رُوح پیدا ہو گئی کہ انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و امی) کی ایک جنبشِ لب پر اپنی عزیز جانوں کو قربان کر دیا۔ اطاعت و فرمانبرداری کا وہ نمونہ دکھایا جس کی نظیر نہ کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سُنی۔ سیدنا حضرت اقدس فرماتے ہیں:-

"اطاعت ایک ایسی چیز ہے کہ اگر دل سے اختیار کی جائے تو دل میں ایک نُور اور رُوح میں ایک لذّت اور روشنی آتی ہے۔ مجاہدات کی اس قدر ضرورت نہیں ہے، جس قدر اطاعت کی ضرورت ہے۔ مگر ہاں شرط یہ ہے کہ سچی اطاعت ہو۔ اور یہی ایک مشکل امر ہے۔ اطاعت میں ہوائے نفس کو ذبح کر دینا ضروری ہوتا ہے۔ بدوں اس کے اطاعت ہو نہیں سکتی۔ اور ہوائے نفس ہی ایک ایسی چیز ہے جو بڑے بڑے موحدوں کے دل میں بھی بُت بن سکتی ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جو جلالی اور جمالی رنگوں کو لئے ہوئے تھے اُن میں ایک کشش اور قوت تھی جو بے اختیار لوگوں کو کھینچ لیتی تھی۔ اور پھر آپ کی جماعت نے اطاعت الرسولؐ کا وہ نمونہ دکھایا اور ان کی استقامت

ایسی فوق الکرامت ثابت ہوئی کہ جو کوئی اُن کو دیکھتا وہ بے اختیار ہو کر اُن کی طرف چلا آتا تھا"
(الحکم ۵ مئی ۱۹۰۱ء صلا)

ایسے ہی ایک اور مقام پر فرماتے ہیں :-

قَدْ اٰثَرُوْكَ وَ فَارَقُوْا أَحْبَابَهُمْ ۞ وَتَبَاعَدُوْا مِنْ حَلْقَةِ الْإِخْوَانِ
قَدْ وَدَّعُوْا أَهْوَاءَهُمْ وَنُفُوْسَهُمْ ۞ وَتَبَرَّءُوْا مِنْ كُلِّ نَشْبٍ فَانٍ
قَامُوْا بِإِقْدَامِ الرَّسُوْلِ وَبِغَزْوِهِمْ ۞ كَالْعَاشِقِ الْمَشْغُوْفِ فِي الْمَيْدَانِ
فَدَمُ الرِّجَالِ لِصِدْقِهِمْ فِيْ حُبِّهِمْ ۞ تَحْتَ السُّيُوْفِ أُرِيْقَ كَالْقُرْبَانِ

یعنی اے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! صحابہ کرامؓ نے تجھے چُن لیا اور اپنے دوستوں کو چھوڑ دیا اور بھائیوں کے حلقے سے دُور ہو گئے اور خواہشات نفسانی کو خیر باد کہہ دیا۔ اور ہر فانی مال و متاع سے بیزار ہو گئے۔ جنگوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ یوں ڈٹ گئے جیسے ایک سچا عاشق ڈٹ جاتا ہے۔ اور اپنے صدق و صفا کی وجہ سے محبت کے باعث انہوں نے اپنے خون یوں بہائے جیسے قربانی کے جانور کا خون بہایا جاتا ہے۔ یعنی صحابہ کرامؓ نے اپنے خون سے اسلام کی کھیتی کی آبیاری کی۔

صحابہ کرامؓ کی فدائیت کے تین واقعات سناتا ہوں۔ احباب غور سے سُنیں :-

(۱)۔ حضرت سعد بن ربیع جنگ اُحد میں سخت زخمی ہو گئے تھے۔ جنگ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب کو حال دریافت کرنے کے لئے بھیجا۔ وہ بڑی مشکل سے تلاش کرتے ہوئے آپ کے پاس پہنچے۔ حضرت سعد پر اس وقت نزع کی حالت طاری تھی۔ حضرت ابی ابن کعب نے اُن سے پوچھا کہ اگر کوئی پیغام دینا ہو تو دے دیں۔ ایسے موقعہ پر انسان کے سامنے اس کے بیوی بچے آجاتے ہیں، املاک اور جائیداد آجاتی ہے اور وہ اِن کے بارے میں وصیت شروع کر دیتا ہے۔ لیکن اس سعید الفطرت اور اسلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے شیدائی کے سامنے ان دنیوی چیزوں میں سے ایک بھی نہ آئی۔ حضرت سعد نے آنکھ کھولی اور کہا کہ مَیں انتظار ہی کر رہا تھا کہ کوئی آئے اور مَیں اُسے پیغام دوں کہ

"مَیں تو مر رہا ہوں۔ مگر اپنے پیچھے ایک مقدس امانت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود تم میں چھوڑے جا رہا ہوں۔ اے میرے بھائیو اور میرے رشتہ دارو! مَیں اُمید کرتا ہوں کہ تم ان کی پوری حفاظت کرو گے۔ اور اگر تمہاری زندگی میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو کوئی گزند پہنچا تو یاد رکھنا کہ خدا کے حضور تمہارا کوئی عذر قابل قبول نہ ہوگا۔"

یہ الفاظ کہے اور اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ اللہ اللہ کس شان کے انسان تھے وہ۔ کتنی فدائیت اور اخلاص ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ زخموں سے چُور ہیں۔ اور زندگی کے آخری لمحات میں اگر کوئی جذبہ ان کے اندر موجزن ہوتا ہے تو صرف اور صرف یہ کہ خدا کی امانت، ہاں اس عظیم الشان امانت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم محبوب خدا فداہ ابی وامی وجنانی کی حفاظت

ہونی چاہیئے۔ اے کاش اسلام کو ہر زمانے میں ایسے ہی شیدائی نصیب ہوتے رہیں۔

(۲)۔ حضرت خبیبؓ کو قریش مکّہ دھوکہ سے پکڑ کر لے گئے۔ جب اُن کو قتل گاہ میں لایا گیا تو اس نظارہ کو دیکھنے کے لئے تمام لوگ آ گئے۔ حضرت خبیبؓ نے کہا کہ ذرا مجھے دو نفل پڑھ لینے دو۔ جب وہ نفل ادا کر چکے تو کفّار مکّہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ "میں نے نماز لمبی پڑھنی تھی۔ مگر اس لئے جلدی جلدی پڑھ لی ہے کہ تم کہیں یہ نہ سمجھو کہ میں موت سے ڈرتا ہوں"۔ پھر باآواز بلند عاشقانہ انداز میں یہ اشعار پڑھے ؎

وَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا　٭　عَلٰی اَیِّ جَنْبٍ کَانَ لِلّٰہِ مَصْرَعِیْ
وَذَالِکَ فِیْ ذَاتِ الْاِلٰہِ وَاِنْ یَّشَاءْ　٭　یُبَارِکْ عَلٰی اَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعِ

یعنی جبکہ میں مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ میرا سر کٹ کر کس طرف کو گرتا ہے۔ اور میرا یہ قتل ہونا صرف اللہ کی راہ میں ہے۔ اگر وہ چاہے تو میرے وجود کے کٹے ہوئے ٹکڑوں پر برکت نازل کرے گا۔ حضرت خبیبؓ نے جونہی آخری مصرع ختم کیا تو ظالم جلاد نے تلوار سے آپ کا سر تن سے جدا کر دیا۔ جو لوگ اس موقع پر موجود تھے اُن میں سعید بن عامر بھی تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ جب کبھی اُن سے اس دل گداز واقعہ کا ذکر کیا جاتا تو وہ بے ہوش ہو جاتے۔ حضرت اقدس بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے ایسے ہی دل ہلا دینے والے واقعات سے متاثر ہو کر فرمایا:- ؎

وَلَجُوْا وَمَا خَافُوا الْوَرٰی مِنْ صِدْقِھِمْ　٭　بَلْ اٰثَرُوا الرَّحْمٰنَ عِنْدَ کُلِّ بَلَاءٍ
تَحْتَ السُّیُوْفِ تَشَہَّدُوْا لِخُلُوْصِھِمْ　٭　شَھِدُوْا بِصِدْقِ الْقَلْبِ فِی الْاِمْلَاءِ

وہ خدا کے راستے میں برضاء و رغبت ذبح کر دیئے گئے۔ اور انہوں نے سچائی کی خاطر ذرا بھر بھی خوف نہیں کیا بلکہ ہر آزمائش کے وقت خدائے رحمان کو ترجیح دی۔ انہوں نے تلواروں کی جھنکار میں شہادت کے جام تلاش کئے اور ہر مجلس میں صداقت و سچائی کی گواہی کے لئے بے خوف و خطر تیار رہے۔

(۳)۔ دین کی راہ میں صحابہ کرام کیا مَرد اور کیا عورتیں ہر رنگ میں قربانیاں کرنے کے لئے کمر بستہ نظر آتے ہیں۔ مال و دولت اور جان عزیز کے علاوہ جب موقع ہوتا تو اپنی اولادوں کو بھی نہایت اخلاص کے ساتھ قربان کر دیتے تھے۔ ایک صحابیہ کی مثال سُنیئے۔

حضرت عمرؓ کے دَور خلافت میں جب عراق میں قادسیہ کے مقام پر جنگ جاری تھی تو حضرت خنساءؓ اپنے چاروں بیٹوں کو لے کر میدان جنگ میں آئیں۔ اور ان کو مخاطب کر کے کہا کہ پیارے بیٹو! تم نے اسلام کسی جبر کے ماتحت اختیار نہیں کیا۔ اس لئے اس کی خاطر قربانیاں کرنا تمہارا فرض ہے۔ خدا کی قسم! میں نے تمہارے باپ سے کبھی خیانت نہیں کی۔ اور نہ ہی تمہارے ماموں کو رسوا کیا۔ یہ دنیا چند روزہ ہے۔ اس میں جو آیا وہ ایک نہ ایک دن اس دُنیا کو چھوڑ جاتا ہے۔ لیکن خوش قسمت ہے وہ انسان جسے خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دینے کا موقع ملے۔ اس لئے صبح اُٹھ کر جہاد کرنے کے لئے میدان جنگ میں جاؤ اور آخر وقت تک لڑنا۔ تمہارے لئے دو راستے ہیں۔ کامیاب واپسی یا شہادت۔ سعادت مند بیٹوں نے بوڑھی ماں کی نصیحت کو گوش ہوش سے سُنا۔ لڑائی شروع ہو گئی تو چاروں بیٹوں نے

ایک ساتھ گھوڑوں کی باگیں اُٹھائیں اور نہایت جوش کے ساتھ رجز پڑھتے ہوئے کفار کے لشکر پر ٹوٹ پڑے اور چاروں ہی میدان جنگ میں شہید ہو گئے۔ حضرت خنساء کو جب بیٹوں کی شہادت کی خبر ملی، تو انہوں نے واویلا نہیں کیا، منہ پر طمانچے نہیں مارے، گریبان نہیں پھاڑا۔ بلکہ الحمدللہ کہا اور اپنی ٹیڑھی کمر کو سیدھا کر کے اپنے بیٹوں کی اس قربانی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

آخر میں میں آپ کے شیدائی، آپ کے عظیم روحانی فرزند حضرت اقدس کا ایک اقتباس پیش کر کے اس درس کو ختم کرتا ہوں جس میں آپ نے اپنی جماعت کو صحابہ کرامؓ کے رنگ میں رنگین ہونے کی تلقین فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں :۔

"غرض صحابہ کی سی حالت اور وحدت کی ضرورت اب بھی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس جماعت کو جو مسیح موعود کے ہاتھ سے تیار ہو رہی ہے اُس جماعت میں شامل کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کی تھی اور چونکہ جماعت کی ترقی ایسے ہی لوگوں کے نمونہ سے ہوتی ہے اس لئے تم جو مسیح موعود کی جماعت کہلا کر صحابہ کی جماعت میں ملنے کی آرزو رکھتے ہو اپنے اندر صحابہ کا رنگ پیدا کرو۔ اطاعت ہو تو ویسی ہو۔ باہم محبت و اخوت ہو تو ویسی ہو۔ غرض ہر رنگ میں ہر صورت میں تم وہی شکل اختیار کرو جو صحابہؓ کی تھی۔" (الحکم ۵ ۱۹۰۱ء صـ۱)

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین وآخر دعوٰنا اَنِ الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین والصلوٰۃ والسّلام علیٰ رسولہ الکریم۔

حضرت اقدس فرماتے ہیں :۔

"ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو جامع جمیع کمالاتِ نبوت تھے۔ آپ میں یہ ہمدردی کمال درجہ پر تھی۔ آپ صحابہ کو دیکھ کر چاہتے تھے کہ پوری ترقیات پر پہنچیں لیکن یہ عروج ایک وقت پر مقدر تھا۔ آخر صحابہ نے وہ پایا جو دنیا نے کبھی نہ پایا۔ اور وہ دیکھا جو کسی نے نہ دیکھا تھا۔" (ملفوظات جلد دوم صـ۵۲)

"صحابہ کے نمونوں کو اپنے سامنے رکھو۔ دیکھو انہوں نے پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی اور دین کو دُنیا پر مقدم کیا تو وہ سب وعدے جو اللہ تعالیٰ نے اُن سے کئے تھے۔ پورے ہو گئے۔" (ملفوظات جلد دوم صـ۱۵۷)

"وہ کیا چیز تھی جس نے اُن کو مصائب اور مشکلات کے طوفان میں بھی حق پر قائم رکھا۔ وہ وہی لذّت اور سرور کا چشمہ تھا جو حق کے پیار کی وجہ سے اُن کے سینوں سے پھوٹ نکلتا تھا۔ ایک صحابی کی بابت لکھا ہے کہ جب اس کے ہاتھ کاٹے گئے تو اس نے کہا میں وضو کرتا ہوں۔ آخر لکھا ہے کہ سر کاٹو تو سجدہ کرتا ہے کہتا ہوا مر گیا۔ اس وقت اس نے دعا کی کہ یا اللہ حضرتؐ کو خبر پہنچا دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مدینہ میں تھے۔ جبرائیل نے جا کر السلام علیکم کہا اور آپ نے علیکم السلام کہا اور اس واقعہ پر اطلاع ملی۔ غرض اس لذت کے بعد جو خدا تعالیٰ میں ملتی ہے۔ ایک کیڑے کی طرح کچل دیا جانا منظور ہوتا ہے اور مومن کو سخت سے سخت تکلیف بھی آسان ہو جاتی ہیں۔ سچ پوچھو تو مومن کی نشانی یہی ہوتی ہے کہ وہ مقتول ہونے کیلئے تیار ہوتا ہے۔" (ملفوظات جلد دوم صـ۳۰۹)

حضرت المصلح الموعودؓ کی دعاؤں کی تاثیر

مکرم ومحترم روشن دین صاحب زرگر گولبازار ربوہ

(۱)

اگست ۱۹۲۸ء کا واقعہ ہے میرا لڑکا ضیاء الدین احمد بیمار ہو گیا میں اسے اپنے گاؤں پنڈی چری سے لے کر قادیان آگیا حضور ان دنوں سورۃ یونس سے سورۃ کہف تک کا درس دے رہے تھے اور اکثر ڈاکٹر بھی اس میں شامل تھے جن میں حضرت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب، ڈاکٹر حاجی خانصاحب اور ڈاکٹر عنایت اللہ شاہ صاحب بچے کو دیکھتے رہے اور حضور کو روزانہ دعا کے لئے عرض کرتا رہا۔ ایک دن ڈاکٹر حاجی خانصاحب نے مشورہ دیا کہ اس کے پیٹ کی غدودیں پک گئی ہیں۔ ان میں پیپ پڑ گئی ہے اور اپریشن کے لئے لاہور لے جاؤ۔ میں نے حضور سے مشورہ کیا۔ حضور نے فرمایا کہ مجھے لا کر دکھاؤ۔ میں لے گیا۔ حضور نے دیکھ کر فرمایا کہ لے جاؤ۔ میں دعا کروں گا یاد دہانی کرواتے رہنا۔ لاہور میو ہسپتال میں داخل کروایا۔ جب اپریشن کا وقت آیا تو سرجن ڈاکٹر نے کہا کہ یہ لڑکا اپریشن کے بعد بچنے والا نہیں۔ اس پر ہم بچے کو لے کر واپس گاؤں چلے گئے۔ حالات حضور کو لکھتا رہا۔ جب گھر پہنچے تو دیکھا کہ ناف سے کچھ مادہ پیپ کا جاری ہو گیا اور اس طرح پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا۔ میں نے قادیان میں حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی کو بھی دکھایا تھا۔ جب بچہ صحت یاب ہو گیا تو میں حضور کو دکھانے قادیان لے جا رہا تھا۔ امرتسر کے اسٹیشن پر مولوی صاحب بھی اور حضرت اماں جان بھی کسی سفر سے قادیان آ رہے تھے۔ حضرت مولوی صاحب اور میں نے ضیاء الدین کو حضرت اماں جان کے گاڑی کے کمرہ میں بھیج دیا۔ حضرت مولوی صاحب نے کہا کہ اماں جان میں نے اس بچہ کو بیماری کی حالت میں دیکھا تھا اور یہ حضرت المصلح الموعود کی دعا کا زندہ معجزہ ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

(۲)

میری ایک بچی کے پیٹ پر پھوڑا نکلا۔ ہمارے ایک ہمسایہ کے بچے کو اسی طرح کا پھوڑا نکلا تھا جو اپریشن کے وقت فوت ہو گیا۔ میں نے حضور کی خدمت میں دعا کیلئے لکھا اور بچی چند دنوں کے بعد اچھی ہو گئی جب میں دو ماہ کے بعد حضور کو ملا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ جس بچی کے پیٹ پر پھوڑا نکلا تھا اس کا کیا حال ہے؟ اس قدر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ذہن دیا تھا کہ میں بھول گیا لیکن آپ کو اپنے خادم کی بچی کا یاد رہا۔

(۳)

میرے چھوٹے بھائی میاں عبدالرحمٰن صاحب کے دو بچے فوت ہو گئے تھے وفات کے معاً بعد میں حضور کی خدمت میں دعا کے لئے گیا اور دعا کے لئے عرض کی حضور نے فرمایا کہ میں دعا کروں گا۔ آپ مفتی فضل الرحمٰن صاحب کو بھی ملیں۔ میں نے حضرت مفتی صاحب سے واقعہ بیان کیا۔ آپ نے دوائی تجویز فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے حضور کی دعاؤں کو قبول فرمایا اور ان کو اولاد نرینہ سے نوازا۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک ؎

کاسابلانکا (مراکش) سے ایک مکتوب

مکرم ڈاکٹر نذیر احمد صاحب ابن حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

ہر طرف آواز دینا ہے ہمارا کام آج ؎ جس کی فطرت نیک ہے وہ آئے گا انجام کار

مدت سے خیال تھا کہ افریقہ کے مغربی کنارے آباد بہادر قوم جو مراکش (آجکل المغرب) مملکۃ المغربیہ کے نام سے موسوم ہے، سے خود جاکر تبادلہ خیالات کروں اور وہاں کے دلچسپ حالات قدرے ہدیۂ ناظرین کروں۔ خاکسار برطانیہ سے تین، چار ہفتہ کے لئے اس ملک میں آیا ہے۔ مختصراً حالات یہ ہیں۔ رقبہ صحرا کو ملا کر کوئی پندرہ ہزار میل کے قریب ہے۔ اس میں ہر طرح کا موسم ہے سمندری۔ سرد برفانی پہاڑ اور مشرقی جبال۔ اطلس کے صحرا سخت گرم علاقے ہیں۔ ہر طرح کی سبزی، فروٹ، بادام، سیب، سنگترا، کشمش، انگور، زیتون جس سے تیل بھی نکلتا ہے اس قدر کثرت سے یہاں پیدا ہوتا ہے کہ الجزائر ALGERIA اور یورپ کو بکثرت تازہ اور خشک دونوں طور سپلائی کیا جاتا ہے۔ سڑکیں اور ریلیں بہت اعلیٰ ہیں۔ شمال جبل الطارق کے آبنائے طارق سے شروع ہو کر جنوب العیون صحرا تک ممتد ہے۔ سمندری کنارہ نو سو میل سے زیادہ لمبا ہے۔ فرانس نے اس زرخیز ملک پر قبضہ کرنے کے لئے بہت جتن کئے۔ جنگیں کیں۔ اس سے پہلے گذشتہ صدی میں پرتگیزیوں نے اس ملک کے کنارے کو قبضہ میں لے لیا۔ لیکن مغاربہ پر ہر قوم نے ان کو چاقوؤں سے نکالا۔ فرانس نے جنگ کی مگر عالمی جنگ اوّل کے دوران قبضہ کیا۔ کئی جنگیں جاری ہی رہیں۔ یہاں تک کہ PROTECTORATE حمایت کے رنگ میں صلح قبول کی۔ اور ۱۹۵۲ء میں ملک میں گوریلا جنگ زور پکڑ گئی۔ محمد پنجم شاہ مراکو کو چیلنج کیا گیا کہ یا تو جیل میں جاؤ یا پھر مال و دولت لے کر ہم کو ملک سونپ دو۔ اس نے اسے قبول نہ کیا اور جیل یا نظر بند رہنا قبول کر لیا۔ اور اس طرح سارے شاہی خاندان کو میڈغاسکر جزیرہ میں نظر بند کر دیا۔ اس پر ۱۹۵۶ء تک گوریلا جنگ جاری رہی۔ فرانس مجبور ہو گیا کہ صلح کرے اور شاہ محمد پنجم کو واپس مراکو بلانے کا مطالبہ قبول ہو گیا۔ چنانچہ شاہ محمد واپس آ گئے اور بڑے جشن منائے گئے گویا افریقہ میں سب سے پہلے مراکش نے آزادی حاصل کر لی۔ فرانس کا پروگرام تھا کہ اس زرخیز ملک پر تصرف جما کر خوبصورت بنا کر پانچ سو برس تک گزارے مگر ان کی یہ آرزو پوری نہ ہوئی۔ یہ بہادر قوم ہر قیمت پر جانوں کو قربان کر کے بھی بیرونی حکم کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوئی۔ جنگ سے پہلے سپین نے ایک حصّہ اور فرانس نے ایک حصّہ مراکو پر قبضہ کیا تھا۔ مگر دونوں کو ۱۹۵۶ء ۔ ۱۹۵۸ء میں دست بردار ہونا پڑا۔ شاہ محمد کی وفات پر اُن کے بیٹے یہاں شاہ حسن ثانی تخت پر متمکن ہوئے اور بہت محبوب ہیں۔ اس ملک میں فرانسیسی اور عربی زبان بولی جاتی ہے۔ گیہوں، سورج مکھی پھول، جس سے تیل عام نکلتا ہے استعمال ہوتا ہے جو بہت مزیدار اور گھی کی طرح ذائقہ رکھتا ہے۔ برفانی پہاڑ اطلس سے چند چھوٹے دریا نکلتے ہیں جو بہت مفید ہیں۔ زمین بارانی ہے اور نہایت زرخیز۔ اشیاء یہاں سستی ہیں۔ خوراک پھلوں اور سبزی میں یہ ملک خود کفیل ہے۔ لوگ عموماً صحت مند، تندرست ہیں۔ غذا اعلیٰ ہے۔ باہر کے لوگوں کی جو عربی بولیں تو بہت عزت کرتے ہیں۔ سپین کے لوگوں سے

شکل وشباہت ملتی ہے۔ رنگ گورا ہے۔ ۷۰ فیصد لوگوں کا ذریعہ آمد و رفت بسیں ہیں جن کا کرایہ بہت کم ہے۔ دس میل تک ایک دور رہے ہیں عورتیں مرد اکٹھے بیٹھتے ہیں۔ پردہ کم۔ باریک پوشاک۔ بے شک لمبے چوغے ہیں لیکن سَر اور مُنہ پچاس فیصد عورتوں نے ڈھانکنا چھوڑ دیا ہے۔ بقیہ پچاس فیصد عورتیں سَر اور مُنہ ڈھانک لیتی ہیں۔ پچانوے فیصد مسلمان ہیں۔ ملازمت پیشہ صرف پانچ فیصد ہیں باقی آزاد پیشہ اور ساٹھ فیصد زراعت یعنی کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ سرکار غرباء کو مکان ارزاں دے دیتی ہے۔ زراعت میں مدد دیتی ہے۔ موجب ارشاد اُرسِلتُ اِلیٰ کَافّۃ النّاس کے ارشادِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلّم کے سبب ہر ایک مُسلم کا فرض ہے کہ دُور دُور کے مسلمانوں کو اکٹھا کرے اور توحید خیال اجتماعی پروگرام بین الاقوامی مسلمانوں کو محبت و پیار سے ملائے اور تعارف کرائے۔ خاکسار نے یہ کام کر "مَیں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا" پر ایک حد تک اس مغربی کنارے تک پہنچایا۔ خوشخبری عربی زبان میں سُناتا رہتا ہوں کہ سپین بموجب پیشگوئی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے دوبارہ فتح ہوگا۔ پہلے دشمنِ اسلام نے تلوار اٹھائی پھر طارق بن زیاد وہاں گئے۔ اَب کی بار محبّت اور پیار سے تبلیغ و اشاعت قرآن ہوگا۔ جب مَیں ان مغربی مراکشی لوگوں کو کہتا ہوں کہ آؤ تمہیں اندلس لے چلوں، وہ فتح ہو رہا ہے۔ مسجد نزد قرطبہ مکمّل ہوگئی ہے۔ حضور وہاں ستمبر میں جائیں گے۔ دوبارہ شان اسلام جاکر دیکھو۔ آؤ میرے ساتھ تو اُن کے چہرے تمتما اٹھتے ہیں۔ جہاں سے تم کو بزور نکالا گیا تھا اور قتل کیا گیا تھا اب پیار و محبت سے وہاں داخل ہوسکتے ہو۔ اسلام کی تبلیغ کرسکتے ہو۔ آؤ ہمارے ساتھ مل کر کام کرو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا جھنڈا بلند ہو رہا ہے اور عیسائیت کا جھنڈا سرنگوں ہو رہا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اور امام جماعت کے ارشاد کے مطابق نوجوانوں کو چاہیئے کہ زمین میں پھیل جائیں اور ان ملکوں کی طرف توجہ کریں۔ عام طور پر یہاں چند ماہ یا سال کے لئے PERMIT مل جاتا ہے رہنے کے لئے اور کام جو کوئی کرنا چاہے وہ یہ ہیں۔ ڈاکٹر ہی، SPECIALIST TEACHERS ENGLISH ابھی ابھی انگریزی کی طرف توجہ ہوئی ہے۔ آنے والوں کو پہلے سے ویزا لینے کی ضرورت نہیں۔ ایئرپورٹ پر جو دار بیضا CASABLANCA ہے یا رباط دار الحکومت سے مل جاتا ہے یا جبل الطارق سے جو سپین سے لوگ آئیں تو انکو طنجہ کی بندرگاہ پر یا ائیرپورٹ پر ویزا مل جاتا ہے۔ جو لوگ سچی تڑپ رکھتے ہوں اور ہمدردی کا مادہ ہو اور قرآن اچھی طرح آتا ہو اس کے لئے اللہ تعالیٰ آسانی پیدا کر دیتا ہے۔ دار البیضاء CASABIANCA سب سے بڑا شہر ہے جسے دار البیضاء سرکاری طور پر بولا جاتا ہے۔ یہ ملک المغرب پاکستان کو اپنا بھائی ہی سمجھتا ہے۔

زمیندارہ مجالس انصار اللہ

گندم کی فصل برداشت ہو رہی ہے۔ ان دنوں زمیندار احباب سے چندہ کی وصولی میں آسانی ہوتی ہے اس لئے زعماء صاحبان سے گذارش ہے کہ وہ اراکین سے چندہ وصول کرکے اپنے اپنے بجٹوں کی ادائیگی فرمائیں جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

(عبد الرشید غنی — قائد مال مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ)

بنامِ آں کہ احمد بُود نامش

(مکرم خورشید احمد صاحب اوکاڑہ)

ایک عرصے سے ہوا چپ تھی فضا خاموش تھی
بربطِ فطرت کے نغموں کی صدا خاموش تھی

کم نگاہی کے قفس میں طائرِ دل قید تھا
مدتوں سے جذبۂ پرواز تک ناپید تھا

جرأتِ اظہارِ حق معدوم تھی، مفقود تھی
زندگی کی ہر ادا بے مقصد و بے سود تھی

قافلوں میں پہلی سی وہ برق رفتاری نہ تھی
تھے حدی خواں، لیکن اُن میں گرم گفتاری نہ تھی

چار سُو تھا ظلمتِ شب کا فسوں چھایا ہوا
صبحِ تاباں کا تصوّر تک تھا کُملایا ہوا

ناگہاں پنجاب سے اِک نور کا شُعلہ اُٹھا
چاک کر دی جس نے یکسر ظلمتِ شب کی ردا

پھر چمن زارِ جہاں میں آ گئی فصلِ بہار
پھر اُٹھی صحنِ گلستاں سے صدائے گیرودار

خاکیوں کو نُوریوں کے پھر سلام آنے لگے
عرش سے مہر و محبّت کے پیام آنے لگے

کاروانِ رنگ و بُو پھر سوئے صحرا چل دیا
ذرّہ ذرّہ دشت کا صحنِ گلستاں بن گیا

پھر ہوا بیدار ہر سینے میں ذوقِ آرزو
پھر اُٹھے ہر سمت سے ہنگامہائے ہاؤ ہُو

پھر ملا انسان کو درسِ خرامِ زندگی
ذرّہ ذرہ بن گیا مہرِ تمامِ زندگی

خاکِ تیرہ میں شرر پھر سے فروزاں ہو گئے
سنگریزوں میں مہ و خورشید خنداں ہو گئے

تورات میں دس ہزار قدسیوں والی پیشگوئی

"کلام حق" کے چیلنج کا جواب

از مکرم جناب شیخ عبد القادر صاحب - لاہور

ڈاکٹر پادری کے. ایل. ناصر. ایم اے گجرانوالہ سے ماہنامہ "کلام حق" نکالتے ہیں. آپ نے ایک عرصہ سے یہ بحث شروع کر رکھی تھی کہ تورات میں "دس ہزار قدسیوں" والی عبارت میں کوئی پیشگوئی نہیں. دس ہزار ترجمہ درست نہیں. اردو بائیبل میں سو سال تک الفاظ یہ تھے :-

"وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا. دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا"

پادری صاحب کے نزدیک یہ ترجمہ درست نہیں تھا. یہی وجہ ہے کہ اب ترجمہ ــــ "لاکھوں قدسیوں میں سے آیا" ــــ کے الفاظ میں تبدیل کر دیا گیا. فتح مکہ کے وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پورے "دس ہزار صحابہ" ــ تھے. یہ بشارت مسلمان علماء اس واقعہ پر چسپاں کرتے ہیں ــ "لاکھوں قدسیوں میں سے آیا" ــ ترجمہ اس واقعہ پر منطبق نہیں ہو سکتا. بقول اُن کے یہ "عبارت" رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہیں ہے.

"کلام حق" کے مضامین کا جواب ہم ساتھ کے ساتھ دیتے رہے. روزنامہ "الفضل" میں. ہفت روزہ "لاہور" میں اور ماہنامہ "انصار اللہ" میں مضامین شائع ہوتے رہے. یہ قرض پورے طور پر ہم اتار چکے ہیں.

اس بحث میں کون حق پر ہے اور کون ناحق پر ؟ خدا کی شان دیکھئے اس کا قطعی فیصلہ ہو چکا. دنیا کی ننانوے [99] بائیبل سوسائیٹوں نے جن میں پاکستان بائیبل سوسائٹی انار کلی لاہور بھی شامل ہے بائیبل کا ایک نیا ترجمہ شائع کیا ہے. اس میں "لاکھوں" کی بجائے "TEN THOUSAND" یعنی "دس ہزار" ترجمہ ہے. حاشیہ میں وضاحتی نوٹ ہے کہ عبرانی الفاظ UNCLEAR ہیں ممکنہ درست ترجمہ یہ ہے جو "دس ہزار" سے شروع ہوتا ہے اور "داہنے ہاتھ" پر ختم ہوتا ہے. اس طرح بائیبل سوسائٹیوں نے والبتہ دنیا بھر کے علماء نے فیصلہ دے دیا کہ "دس ہزار" ترجمہ درست ہے اور "لاکھوں" ترجمہ کرنا ایک غلطی ہے. بائیبل کے اس ترجمہ کا نام THE GOOD NEWS BIBLE ہے. یہ بائیبل ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی اور لاکھوں کی تعداد میں چھپ چکی ہے. جب بات یہاں تک صاف ہو گئی تو سمن آباد لاہور کے جناب ملک منظور احمد صاحب نے ڈاکٹر کے. ایل. ناصر صاحب کو ایک خط لکھا کہ اس فیصلہ کن مرحلہ پر آپ بتائیے. آپ کے ہاتھ میں کیا رہ جاتا ہے ؟ جواب دیجئے کہ عبرانی آپ کو زیادہ آتی ہے یا پاکستان بائیبل سوسائٹی اور دنیا بھر کی بائیبل سوسائٹیز

سے وابستہ علماء کو ـــــ پورے ننانوے (۹۹) ممالک کی بائیبل سوسائٹیوں کی طرف سے "گڈ نیوز بائیبل" اشاعت پذیر ہوئی ہے۔ بائیبل کے آخر میں فہرست لگا دی گئی ہے۔ اس میں حروفِ تہجی کے اعتبار سے نام درج ہیں۔ اس میں پاکستان بائیبل سوسائٹی کا نام اپنے مقام پر "P" کے تحت درج ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ پادری ڈاکٹر کے۔ایل۔ ناصر صاحب پاکستان بائیبل سوسائٹی کے سرگرم رکن ہیں۔ ان کا اخلاقی فرض تھا کہ وہ اس خط کا جواب خود دیتے۔ افسوس! اس فیصلہ کن مرحلہ پر حقیقتِ ثابتہ کا وہ سامنا نہیں کر پائے۔ انہوں نے مضمون نگار "علامہ پال آرنسٹ" کو مدد کے لئے پکارا اور مکتوب ان کو بھیج دیا۔ صاحب موصوف نے "کلامِ حق" فروری ۱۹۸۲ء میں ملک صاحب محترم کا خط درج کر کے "گڈ نیوز بائیبل" کے فیصلہ کن ترجمہ اور نوٹ سے قطع نظر اُلٹا ملک صاحب کو کوسنا شروع کر دیا کہ آپ نے عبرانی متن کو مخدوش کہا ہے جبکہ متن بالکل صاف ہے۔ اس کا ترجمہ "دس ہزار" نہیں ہے۔ "لاکھوں" ہے۔ ڈھٹائی کی کوئی حد ہوتی ہے۔ ملک صاحب نے گڈ نیوز بائیبل کے حاشیہ کا حوالہ دیا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ عبرانی متن UNCLEAR "غیر واضح" ہے۔ صحیح ترجمہ "دس ہزار" سے شروع ہوتا ہے اور "داہنے ہاتھ" پر ختم ہوتا ہے۔ گویا یہ الفاظ علماءِ بائیبل کے ہیں، ملک صاحب کے نہیں ہیں۔ پال آرنسٹ نے ملک صاحب کے منہ میں یہ الفاظ ڈال دیئے اور ساری علمیّت صرف کر ڈالی۔ علامہ صاحب کو چاہیئے کہ غصّہ تھوک دیں۔ عبرانی لغات ذرا بند کر دیں۔ اتنی بات بتا دیں کہ

عبرانی کسے زیادہ آتی ہے؟ دُنیا کی ننانوے (۹۹) بائیبل سوسائٹیوں کے نمائندہ علماء کو جنہوں نے ترجمہ کا کام بخیر و خوبی سرانجام دیا یا جناب پال آرنسٹ کو۔

پال آرنسٹ یہ تو مان گئے کہ گڈ نیوز بائیبل وہ پہلا انگریزی ترجمہ ہے جس میں "دس ہزار" ہے۔ بقول اُن کے اُردو تراجم میں "دس ہزار" تھا یا اب اس انگریزی ترجمہ میں آیا ہے ـــــ لیکن وہ پوچھتے ہیں۔ کہ کون سے عبرانی لفظ کا ترجمہ "دس ہزار" ہے؟ یہ بتانا ادارہ الفضل یا ادارت لاہور کے ذمّہ ہے یا ملک منظور احمد صاحب یہ ذمّہ داری قبول کریں۔ عجیب منطق ہے۔ ترجمہ عیسائی علماء کریں بتائیں مسلمان علماء۔ علماءِ اہل کتاب کیا ان سے ناراض ہیں؟

آپ کیوں بائیبل سوسائٹی کو چٹھی لکھ کر نہیں پوچھ لیتے؟

چلئے قضئے کو گھر تک پہنچانے کی ذمہ داری بھی ہم قبول کر لیتے ہیں۔ کھولئے عبرانی تورات۔ اس میں (استثنا ۳۳/۲ میں) دس ہزار کے لئے جو لفظ ہے۔ اس میں "واوٗ" نہیں ہے۔ ر ب ب تھ چار حروف ہیں۔ عبرانی میں جمع بنانے کے لئے "واوٗ" کی موجودگی بہت ضروری ہے۔ لہٰذا دوسری ب پر نقطہ لگا دیا جو واوٗ کا بدل ہے یہ واوَل (اعراب) ہیں۔ جو ساتویں صدی کے مسوراہی علماء نے لگائے۔ یہ واوَل بعینہٖ گڈ نیوز بائیبل کے علماء کے تئیں قابلِ وقعت نہیں ہیں۔ آگے ۳۳/۱۷ میں یہی لفظ آیا وہ جمع ہے۔ اس میں واوٗ موجود ہے اور پانچ حروف ہیں۔ ر ب ب و تھ۔ پال ارنسٹ پوچھتے ہیں۔ عبرانی لفظ (ر ب ب و تھ) جمع اور مؤنث ہے۔ اس کے معنے "دس ہزار" کے کیسے ہو گئے؟ دس ہزاروں یعنی "لاکھوں" معنے درست ہیں۔

پال ارنسٹ نے ر ب ب و تھ میں جو "واوٗ" ڈالی ہے۔ وہ متن میں نہیں ہے۔ اس کی جگہ جمع بنانے کے لئے نقطہ یعنی "واوَل"

ہے۔ گڈ نیوز بائیبل کے علماء اس خود ساختہ "واول" کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ان علماء کے سامنے دو باتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ استثناء ۳۳/۲ میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی جو وصیت درج ہے۔ اس میں "دس ہزار" "واؤ" کے بغیر ہے اور واحد ہے۔ اسی وصیت میں آگے چل کر "واؤ" کے ساتھ جمع کی صورت میں یہ لفظ آیا ہے۔ یعنی اوّل "رب ب تھ" ہے۔ یہ لفظ ۳۳/۲ میں ہے آگے ۳۳/۱۷ میں "رب ب وتھ" ہے اس میں "واؤ" کا اضافہ ہے۔ اس لئے یہ جمع ہے۔ ظاہر ہے ایک نقطہ نے سارا فتنہ ڈال رکھا ہے۔ علماء بائیبل نے نقطہ ہٹایا تو بات صاف ہو گئی۔

گڈ نیوز بائیبل کے علماء نے پہلے لفظ رب ب تھ کا ترجمہ TEN THOUSAND کیا ہے۔ اور دوسرے لفظ رب ب وتھ کا ترجمہ "S" کے اضافہ کے ساتھ TEN THOUSANDS کیا ہے۔ یہ باریک فرق "واؤ" کی وجہ سے ہے کیونکہ جمع کی صورت میں "واؤ" آتی ہے۔ پہلے حوالے میں واؤ نہیں ہے۔ یہودی علماء نے ساتویں صدی میں "رب ب تھ" پر خود ساختہ نشانِ جمع لگا کر اسے غیر واضح کر دیا۔ آگے اسی لفظ میں واؤ موجود ہے۔ اس فرق سے ظاہر ہے۔ کہ پہلا لفظ واحد ہے دوسرا جمع۔ حاشیہ پر وضاحت کر دی کہ عبرانی لفظ UNCLEAR ہے۔ ممکنہ صحیح ترجمہ دس ہزار ہے۔

دوسری بات علماء بائیبل کے مدِّ نظر یہ ہے کہ تورات کی یہ عبارت جس میں "داہنے ہاتھ" اور "دس ہزار قدسیوں" کا ذکر ہے عبرانی ادبیات عالیہ میں، محاورۂ عام بن گئی۔ حضرت داؤد علیہ السّلام نے یہ محاورہ استعمال کیا ۔۔۔ زبور ۹۱/۷ میں ہے۔

"۔۔۔۔ اور دس ہزار تیرے دہنے ہاتھ کی طرف"۔

یہاں "دس ہزار کے لئے" "رب ب ہ" آیا ہے۔ عجیب بات ہے۔ دوسری جگہ دس ہزار کو "عشرہ الفیم" کہا گیا۔ گویا یہ محاورۂ "عشرہ الفیم" کا متبادل ہے۔

"لیکن تو ہم میں سے (عشرہ الفیم) دس ہزار کے برابر ہے"۔ (قاضیوں ۴/۶)

متبادل لفظ عشرہ الفیم نے بتا دیا "دس ہزار" ترجمہ درست ہے۔ "صحیفہ یشوع بن سیراخ" میں حضرت داؤد علیہ السّلام کے لئے یہ الفاظ ہیں:۔

"خدا تعالیٰ نے اس کے داہنے ہاتھ کو قوّت دی .... پس انہوں نے "دس ہزار" کے نعرے سے اس کی توصیف کی"۔ (یشوع بن سیراخ ۴۷/۷ کیتھولک بائیبل ۱۹۵۸ء مطبوعہ روما)

صاف ظاہر ہے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی وصیّت کے الفاظ ایک محاورہ بن گئے ۔۔۔ یہ محاورہ تورات میں "رب ب ہ" ۔۔۔ "رب ب تھ" اور "عشرۃ الفیم" تین صورتوں میں ملتا ہے۔ گویا یہ لفظ جمع نہیں، واحد ہے۔ اس کے معنے عشرۃ الفیم یعنی دس ہزار کے ہیں۔

اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السّلام کے غزل الغزلات میں تورات کے حوالے اور بشارت کی صدائے بازگشت ہمیں ملتی ہے۔ الفاظ یہ ہیں:۔

" وہ دس ہزار (ربیبہ) میں افضل ہے .... اور وہ سراپا عشق انگیز (محمدیم) ہے۔ اے یروشلم کی بیٹیو! میرا محبوب ایسا ہے۔ میرا پیارا ایسا ہے۔"

(غزل الغزلات ۵: ۱۰، ۱۶ کیھولک بائیبل ۱۹۵۸ء)

اِن حوالوں سے ظاہر ہے کہ علمار بائیبل کے پیشِ نظر مضبوط قرائن ہیں جن کے باعث " دس ہزار " ترجمہ درست سمجھا گیا۔ گویا پال ارنسٹ کے چیلنج کا جواب علمار بائیبل نے گڈ نیوز بائیبل کے ترجمہ کی صورت میں دے دیا۔ اس طرح صداقت کھل گئی اور حق ظاہر ہوگیا۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۔

دوسرا سوال " علامہ پال ارنسٹ " نے ادارہ الفضل اور رسالہ لاہور سے یہ کیا ہے کہ تورات کی عبارت میں جس " فاران " کا ذکر ہے وہ مکّہ سے چھ سات سو میل بجانب شمال ہے۔ مکّہ کے پاس ایک پہاڑی کا نام " فاران " ضرور ہے۔ لیکن اس سے وہ پہاڑی مراد نہیں ہوسکتی جس کا ذکر تورات میں ہے۔ اس کے جواب میں گذارش ہے کہ طورِ سینا اور فاران تورات کے متشابہات میں سے ہیں۔ یہ کہاں واقع ہیں؟ کوئی فیصلہ نہیں ہو پایا ____ تورات کی رُو سے بیابانِ فاران کو " بیابان فاران " کہا گیا۔ یہ دو ہیں۔ ایک شمال میں ایک جنوب میں۔ لیکن استثنار ۳۳ کی عبارت میں بیابان فاران نہیں ۔ " کوہ فاران " ہے۔ اس کا محلِ وقوع شمال میں نہیں ہے صحفِ انبیاء میں کوہ فاران کا دو جگہ ذکر ہے اور دونوں جگہ اسے کنعان کے جنوب میں بتایا گیا۔ استثنار ۳۳ کا ایک نیا ترجمہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فاران ارضِ جنوب میں ہے۔

نیو انٹرنیشنل ورشن ۱۹۷۸ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ اس میں بشارت تورات کا ترجمہ بایں الفاظ ہے۔

" وہ کوہ فاران سے جلوہ افروز ہوا۔ ہزاروں ہزار پاکبازوں کی جلَو میں جنوب سے اپنے پہاڑوں کی ڈھلانوں میں ظاہر ہوا۔"

حبقوق نبی کی بشارت کے الفاظ ہیں:۔

" خداوند جنوب سے اور قدوس کوہِ فاران سے آئے گا..... اس کے جلال نے آسمانوں کو چھپایا اور زمین اس کی حمد سے معمور ہوئی اس کی چمکاہٹ نور کی مانند ہوگی۔"

(حبقوق ۳-۳، ۴ کاتھولک ٹریکٹ سوسائٹی لاہور ۱۹۲۵ء)

ان دونوں حوالوں میں کوہِ فاران کو ارضِ جنوب میں بتایا گیا۔ ارضِ جنوب کو تورات میں یمین اور صحیفہ حبقوق میں تیمان کہا گیا۔ تیمان کا روٹ یمن ہے معنے ہیں ارضِ جنوب۔ ۱۸۷۰ء کی اردو بائیبل مطبوعہ مرزا پور میں وضاحت ہے کہ حبقوق کی بشارت میں دو قرأتیں ہیں۔ خدا تیمان یا خدا دکھن سے آیا۔ پھر حبقوق نے کوشان، مدین کا ذکر کیا ہے۔ یہ مقامات حجاز ہیں۔

ان حوالوں سے ظاہر ہے کہ فاران کی تجلّی، ارضِ جنوب کی کوئی عظیم الشان تجلّی ہے۔

جیمس اے مونٹ گمری جو کہ بائیبل کے عظیم ترین عالم تھے اور امریکہ میں عبرانی و آرامی کے پروفیسر رہ چکے ہیں۔ انہوں نے ARABIA AND THE BIBLE کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ یہ کتاب ۱۹۳۴ء میں شائع ہوئی۔ فلپ حتّی کی "تاریخ عرب" میں اس کتاب کے جگہ جگہ حوالے ہیں۔ اس میں صاحبِ موصوف نے لکھا ہے کہ آتش افشانی مادے والے حرّات (پہاڑی سلسلے) مکّہ سے دمشق تک پھیلے ہوئے ہیں۔ عبرانی تورات میں ان حرّات کو حرّہ کہا گیا۔ مونٹ گمری کے الفاظ ہیں:-

"بائیبل کے عہدِ عتیق میں خدا کی تجلّی کے لئے ایک دُوسری روائت ہے اس میں شعیر، ادوم، تیمان، فاران، کوشان اور مدین کا ذکر ہے۔ اس سے مراد شمال مغربی عرب کے پہاڑ اور حرّات ہیں۔" (صہ ۸۹ - ۸۳ - ۷۸)

صہ ۸۳ پر ہے کہ حرّات کا سلسلہ مکّہ معظّمہ کے قرب و جوار تک پھیلا ہوا ہے۔ فاران کو تورات میں "ھرری فاران" کہا گیا۔ ھر سے مراد حرّات ہے۔ ظاہر ہے فاران کو ہمیں حجاز کے حرّات میں تلاش کرنا ہوگا۔ حبقوق نبی کی پیشگوئی "گڈ نیوز بائیبل" میں مستقبل کے صیغوں میں بایں الفاظ ہے:-

GOD IS COMING AGAIN FROM EDOM; THE HOLY GOD IS COMING FROM THE HILLS OF PARAN.

HIS SPLENDOUR COVERS THE HEAVENS AND THE EARTH IS FULL OF HIS PRAISE.

.... I SAW THE PEOPLE OF CUSHAN AFRAID AND THE PEOPLE OF MIDIAN TREMBLE.

(HABAKUK 3: 3, 7)

ترجمہ:- "خدا ادومیہ (شعیر) سے دوبارہ آتا ہے۔ ہاں قدوس خدا فاران کی پہاڑیوں سے آرہا ہے۔ اس کا جلال آسمان پر چھا گیا اور زمین اس کی حمد سے معمور ہے۔ مَیں نے اہلِ کوشان کو ڈرتے ہوئے دیکھا اور مدین کے لوگ لرزہ براندام ہیں۔"

پال ارنسٹ کہتے ہیں کہ تورات میں تجلّی فاران کے ذکر میں کوئی پیشگوئی نہیں ہے۔ دیکھ لیجئے یہ ایک واضح اور روشن پیشگوئی ہے۔ حبقوق نبی نے تورات کے الفاظ کو پیشگوئی سمجھا اور اپنے صحیفہ میں درج کیا دُہرایا اور وضاحت کی۔ مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ایک تجلّی گذر چکی۔ وہ سینا سے شعیر تک تھی۔ اَب دوسری تجلّی ہونے والی ہے۔ یہ تجلّی فاران ہے۔ شعیر یعنی ادومیہ بار دگر اس کی زد میں ہوگا۔ کوشان اور مدین کے لوگ ششدر رہ جائیں گے۔ خدا تعالیٰ کی حمد ساری زمین پر پھیل جائے گی۔ دُنیا ایک روحانی انقلاب سے دوچار ہوگی۔ آسمانی رفعتیں اس سے متاثر ہوں گی۔

یہ عظیم الشان پیشگوئی رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت قدسیہ کے ذریعہ پوری ہوئی۔ اور نشاۃ ثانیہ میں پھر پوری ہونیوالی

ہے۔

جیمس مونٹ گمری کہتے ہیں کہ حبقوق نبی نے جن مقامات کا ذکر کیا ہے وہ عرب و حجاز کے شمال مغرب میں ہیں یہ شمال مغرب کے پہاڑ ہیں یا حرّات۔ فاران کو حبقوق نبی نے "ھرری فاران" کہا ہے۔ یہ وہی لفظ ہے جو عربی میں "حرّات" ہے۔ پھر کہتے ہیں۔ کہ عبرانی کا "ھَر" اور عربی کا "حرّات" ایک ہیں ـــــ پھر لکھتے ہیں حرّات کا سلسلہ مکّہ معظّمہ تک پھیلا ہُوا ہے۔

آیئے آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے کے علمی حلقوں میں آپ کو لئے چلتے ہیں۔

سامری تورات کا عربی ترجمہ آر۔ کیوئن نے ۱۸۵۱ء میں شائع کیا۔ پیدائش ۲۱/۲۱ میں اسماعیلؑ کا ذکر ہے کہ وہ بیابان فاران میں سکونت پذیر ہُوا۔ الفاظ یہ ہیں۔ وَ سَکَنَ بریۃ فاران۔ (الحجاز)

ہلال خطوط میں الحجاز ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ فاران سے مراد حجاز کی وادیٔ غیر ذی زرع ہے۔ یہ وادی کہاں ہے؟ حضرت داؤدؑ فرماتے ہیں کہ حج کے لئے لوگ جاتے ہیں تو وادیٔ بکا (بکہ) سے گزرتے ہیں۔ اور ایک چشمہ سے پانی پیتے ہیں۔ (زبور ۶/۸۴)

حدیث میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے جبال مکّہ کو جبال فاران قرار دیا ہے۔ (نور الابصار فی مناقب اہل البیت المختار)۔

لسان العرب میں ہے کہ فاران، مکّہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے۔

مُعجَمُ البُلدان میں ہے۔ فاران مکّہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے یا ایک پہاڑ کا نام ہے۔

فاران کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ ـــــ فَارَ، فوراً کے معنے ہیں سخت جوش مارنا۔ پھوٹ کر نکل پڑنا۔ فاران کے معنے ہوئے۔ جہاں سے چشمہ پُورے زور سے پھوٹ کر بہنے لگا۔ یہ مقام اسم بامسمّٰی ہے۔ اور وادی بکّہ اس سے مراد ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس وادی میں "دو بھاگنے والوں" نے پناہ لی۔ اس طرح ہر لحاظ سے یہ جگہ "فاران" بن گئی۔

اس تحقیق سے ظاہر ہے کہ علماءِ مغرب گو فاران کی تعیّن میں پُورے طور پر کامیاب نہیں ہوئے۔ لیکن صداقت کے قریب ضرور پہنچ گئے۔ جتنے وہ قریب ہوئے ہیں۔ پال ارنسٹ اتنے ہی دُور ہو گئے ہیں ـــــ آیئے! قریب آیئے۔ دُور بھاگنا لاحاصل ہے۔

لندن کا ہائیڈ پارک کارنر

مکرم بشیر احمد خان رفیق ۔ نائب وکیل التبشیر تحریک جدید ربوہ

ملکۂ انگلستان کے محل کے عین بالمقابل شہر لندن کے مرکز میں واقع ہائیڈ پارک وسیع و عریض خوش رنگ پھولوں اور دیو قامت درختوں پر مشتمل ایک خوبصورت پارک ہے۔ اس پارک کے ایک طرف لندن کے مشہور ہوٹلوں کی قطار ہے، تو دوسری طرف لندن کی مرکزی شاپنگ سنٹر آکسفورڈ سٹریٹ ہے۔ باغ کے عین وسط میں ایک خوبصورت جھیل SERPENTINE کے نام سے موجود ہے جو ۴۱ ایکڑ رقبہ پر محیط ہے۔ یہ گرمیوں میں تفریح اور پکنک کے لئے آئے ہوئے لوگوں کے لئے کشتی رانی کی دلچسپی کا سامان مہیا کرتی ہے تو سردیوں میں جم جانے کے باعث SKATING کے کام بھی آتی ہے۔ جھیل کے دونوں بالمقابل کناروں پر خوبصورت ریسٹورنٹ ہیں، جہاں سیّاح اپنی پسند کی اشیائے خوردنی حاصل کر کے باغ میں اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ہائیڈ پارک میں صبح سویرے رئیسانِ شہر گھڑ سواری کے لئے بھی نکلتے ہیں۔ گھوڑوں کی دوڑ کے لئے باغ کے گرد خاص روشیں بنائی گئی ہیں۔ اکثر شاہی خاندان کے افراد بھی منہ اندھیرے گھڑسواری کا شغل کرتے نظر آجاتے ہیں۔ دن بھر پارک میں سیاحوں، طلباء اور ارد گرد کی شاپنگ سے تھکے ماندے خریداروں کا ہجوم رہتا ہے۔ کہیں درخت کے پُرسکون سایہ میں پناہ لئے کوئی طالب علم اپنے مطالعہ میں محو دنیا و مافیہا سے بے خبر نظر آرہا ہے تو کہیں پورے کا پورا خاندان پکنک کا موڈ لئے کھیل کود میں مگن نظر آتا ہے۔

کسی کو کسی سے غرض نہیں۔ ہر کوئی اپنے حال میں مست ہے۔ ایسے بھی کئی نظر آتے ہیں جو دھوپ (انگلستان میں ایک نعمت غیر مترقبہ ہے) سے لطف اندوز ہونے کے لئے سرسبز گھاس پر خراٹے لیتے ہوئے لمبی تانے سوتے ہیں۔ اور ارد گرد کے شور شغب سے یکسر بے نیاز۔ ہائیڈ پارک کا کل رقبہ ۳۶۱ ایکڑ ہے۔

لیکن اس پارک کا سب سے اہم اور دلچسپ حصّہ وہ کونہ ہے جسے عام طور پر سپیکرز کارنر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ کونہ ماربل آرچ اور آکسفورڈ سٹریٹ کے عین بالمقابل ہے۔ اتوار کے دن یہاں خاصی چہل پہل نظر آتی ہے۔ یہ کونہ روایتی طور پر مقررین کا ہے۔ جو چاہے، جس موضوع پر چاہے، جتنی دیر چاہے، کھڑے ہو کر تقریر کر سکتا ہے۔ مجمع اکٹھا ہو جائے تو فبہا ورنہ کئی مقرّرین تو یونہی بغیر سامعین کے بھی تقریر کئے چلے جا رہے ہوتے ہیں۔ پارک کے مستقل مقرّرین اپنے ساتھ ایک مختصر سا پلیٹ فارم بھی لے کر آتے ہیں جس پر کھڑے ہو کر خطاب کرتے ہیں۔ خطاب کے لئے کوئی تمہید نہیں ہوتی۔ بس کھڑے ہو کر بولنا شروع کیا اور اگر مقرّر اچھا ہوا تو مجمع لگنا شروع ہو جاتا ہے ورنہ چند پیشہ ور قسم کے HECKLERS جو پارک میں ہر وقت موجود ہوتے ہیں عام مقرّر کو جلد سوالات کی بوچھاڑ سے نڈھال کر کے چلتا کر دیتے ہیں۔ اسی پارک میں ایک زمانہ میں بڑے بڑے سیاستدان بھی بولتے رہے ہیں۔ موجودہ

ویلفیئر نظام کے بانی مسٹر بیون نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز اسی پارک سے کیا تھا بڑے بڑے سوشلسٹ لیڈر یہاں بولتے رہے۔ خصوصاً وہ دَور ہائیڈ پارک کارنر کا سنہری دَور ہے جب ابھی ٹی وی وغیرہ ایجاد نہیں ہوئے تھے اور لوگوں کو شام گذارنے کے لئے آج کے زمانے کی مختلف النوع تفریحات کے سامان میسر نہ تھے۔ سرِشام ہی اتوار کے روز ہائیڈ پارک کارنر میں جمگھٹا لگنا شروع ہو جاتا تھا۔ لوگوں کا اژدہام قابلِ دید ہوتا تھا۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر مقرّرین اپنے فنِ خطابت کا مظاہرہ کر رہے ہوتے تھے۔ لیکن مجال ہے کہ کوئی بلوہ یا فساد ہو جائے۔ پولیس دُور تک بھی نظر نہ آتی تھی۔ گرما گرم بحثیں بھی ہوتی تھیں۔ شام کو مجمع چھٹ جاتا۔ لوگ اردگرد ریسٹورنٹوں میں گھس جاتے۔ مقررین اپنے پلیٹ فارم یعنی لکڑی کے سٹول بغل میں دبائے اپنی راہ لیتے اور ہائیڈ پارک اگلے اتوار تک کے لئے پھر محض سیر و تفریح اور سیاحوں کا مرجع بنا رہتا۔ آج ہائیڈ پارک کارنر کی کیفیت خاصی بدل گئی ہے۔ وہ سنجیدگی نہ تو اب سامعین میں ہے اور نہ مقرّرین میں۔ جو اس پارک کا طرۂ امتیاز ہوا کرتا تھا۔ اکثر مقرّرین سیاہ فام ہیں جو غلیظ زبان استعمال کرتے ہیں اور عوام یعنی سامعین کو سنجیدہ خیالات سے روشناس نہیں کرتے۔ اب پولیس بھی نظر آنے لگ گئی ہے۔ کبھی کبھار ہاتھا پائی کی نوبت بھی آجاتی ہے۔ اور اگر یہی چلتا رہا تو نہ جانے کس وقت برطانوی حکومت کو یہ قدیم روایتی کارنر تقاریر کے لئے بند کرنا پڑ جائے۔

پارک میں بعض مقرّرین نہایت سنجیدہ اور مستقل مزاج بھی ہیں جو پچھلی نصف صدی سے بلاناغہ ہر اتوار کو آکر تقاریر کرتے ہیں اور سب سے بڑا مجمع انہی کا ہوتا ہے۔ ان میں عیسائی بھی ہیں اور سوشلسٹ بھی، دہریہ بھی ہیں اور یونیٹیرین بھی۔ ایک صاحب کو مَیں نے پچھلے بائیس سال سے متواتر ہائیڈ پارک میں آتے دیکھا ہے۔ یہ گویا خاموش مقرر ہیں اور وہ اس طرح کہ انہوں نے ایک بڑے سائز کے کاغذ پر خوبصورت انداز میں یہ فقرہ لکھا ہوا ہے THE END IS AT HAND REPENT کہ قیامت کی گھڑی سر پر ہے توبہ کرو۔ یہ کوئی تقریر نہیں کرتے۔ بس اس پلے کارڈ کو اونچا اُٹھا کر کارنر کا چکر لگاتے رہتے ہیں۔ ہاں کھڑا کر کے سوال پوچھیں تو بائیبل کھول کر آخری زمانہ کی علامات کو اس زمانہ پر منطبق کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ان کا حوصلہ قابلِ داد ہے۔ یہ کسی مشن کو REPRESENT نہیں کرتے۔ بذاتِ خود ایک مشن ہیں۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو شخص ہائیڈ پارک کارنر میں تقریر کرنے میں کامیاب ہو جائے اس کے اچھے مقرر ہونے میں پھر کوئی شُبہ باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ یہاں سوالات کی بوچھاڑ کے علاوہ پیشہ ور قسم کے HECKLERS ناک میں دم کر دیتے ہیں۔ جو بعض اوقات ابتذال کی حد کو جا پہنچتے ہیں۔ جو مقرر ان HECKLERS کو نپٹ کر خاموش کر سکے۔ اس کو پھر دُنیا کے کسی مجمع کا خوف نہیں رہتا۔ اسی لئے بعض عیسائی تنظیمیں ہائیڈ پارک کارنر کو بطور مدرسہ کے بھی استعمال کرتے ہیں۔ ہر ہفتہ چند نوجوان عیسائی راہب اپنے استاد کی زیرِ نگرانی یہاں تقاریر کرتے ہیں۔ اُستاد قریب کھڑا ہوتا ہے اور بوقتِ ضرورت ان کی راہنمائی کرتا اور پبلک کے مشکل سوالات کے جوابات بھی دیتا ہے۔

عام طور پر تقاریر زبانی ہوتی ہیں۔ مَیں نے کسی کو لکھی ہوئی تقریر پڑھتے نہیں دیکھا۔ چونکہ پارک میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال ممنوع ہے اس لئے مقرر کو اپنی آواز بلند رکھنے کی بھی خاصی مہارت ہونی چاہیئے۔ تاکہ دُور دُور تک لوگ اس کی تقریر کو سمجھ کر اس

سے لُطف اندوز ہوسکیں۔ غرضیکہ ہائیڈ پارک سپیکرز کارنر انگلستان کی ایک زبردست انسٹی ٹیوشن ہے جہاں آزادیٔ تقریر کا اعلیٰ نمونہ نظر آتا ہے۔

ہائیڈ پارک سپیکرز کارنر میں اسلام کو متعارف کرانے کا سہرا احمدی مبلغین کے سَر بندھتا ہے۔ سب سے پہلے انہوں نے ہی وہاں باقاعدہ اسلام کی تبلیغ کا کام شروع کیا۔ اور اسی جگہ سے ہمیں بہت سارے ابتدائی نومُسلم ملے۔ ہائیڈ پارک کارنر کے ثمرات میں سے مرحوم بلال نٹل بھی تھے جن کو لندن مسجد کے افتتاح کے موقع پر اذان دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ عیسائیت کے اس پلیٹ فارم سے اسلام کی صدا کیونکر بلند ہوئی یہ بھی ایک دلچسپ داستان ہے۔

حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ہمارے انگلستان کے پہلے مبلغ ہیں۔ آپ ۱۹۱۳ء میں عازم انگلستان ہوئے۔ وہاں جا کر آپ نے محسوس کیا کہ ہائیڈ پارک کارنر کی روحانی فتح کا کام جاری کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ آپ نے ہائیڈ پارک میں ایک سلسلۂ تقاریر شروع کیا جو نہایت کامیاب ہُوا۔ اس کی روداد اُن ہی کی زبانی سُنیئے۔ فرماتے ہیں :۔

"میں ہفتہ کے روز ہائیڈ پارک میں گیا۔ مختلف مذہبوں اور سوسائیٹیوں کے لیکچرار موجود تھے۔ لیکن سب سے زیادہ مجمع دہریہ لوگوں کے ارد گرد تھا۔ مَیں بھی وہاں کھڑا ہو گیا۔ پہلے ایک دہریہ لیکچرار کھڑا ہُوا۔ اس نے عہد نامہ عتیق اور حضرت موسیٰؑ پر چند اعتراضات کئے اور پھر ان اعتراضات کو وسیع کر کے تمام مذہبوں پر اور خدا کے ماننے والوں پر اعتراضات شروع کر دیئے اور اس کے بعد اس نے اس کی مخالفت میں کہنے کے لئے پندرہ منٹ دیئے۔ حاضرین میں سے اکثر دہریہ اور صرف چند عیسائی تھے۔ کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ منبر پر آئے۔ مَیں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر پندرہ منٹ کے لئے اللہ تعالیٰ کی ہستی کے متعلق چند عام فہم باتیں کیں اور زیادہ زور الہام اور وحی پر دیا اور اس بات کے بیان کرنے کی کوشش کی کہ علوم جو انسان الہام اور وحی کے ذریعہ سے حاصل کرتا ہے ایسے ہی قابلِ اعتبار، یقینی اور مضبوط ہیں۔ جیسے کہ وہ علوم جو ہم حواس خمسہ کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں۔ اس کے بعد دہریہ لیکچرار کی باری تھی۔ اس نے مجھے ہنسی میں اڑانے کی کوشش کی۔ کہا کہ انگلستان میں بہت سے نبی گذر چکے ہیں اور پگٹ ابھی زندہ ہے اس لئے ہمیں کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر چونکہ وقت ملنے کی امید نہیں تھی۔ اس لئے ان لوگوں سے علیحدہ ہو کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ حاضرین میں سے چند لوگ میرے گرد کھڑے ہو گئے اور الہامات اور وحی کے متعلق پوچھنا شروع کر دیا۔"

اس ابتداء کے بعد یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اور ایک لمبے عرصہ تک ہائیڈ پارک میں اسلام اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کا نام نامی ہمارے مبلغین کے ذریعہ لیا جاتا رہا۔ فالحمد للہ۔ چنانچہ حضرت یعقوب علی صاحب عرفانی جب یورپ کی سیاحت کے سلسلہ میں انگلستان تشریف لے گئے تو لندن میں قیام کے دوران باقاعدہ ہائیڈ پارک میں تقاریر کرتے رہے۔ ہمارے مرحوم بھائی مسٹر بلال نٹل انہی کے ذریعہ ہائیڈ پارک میں ہی اسلام سے متاثر ہو کر داخل اسلام ہوئے تھے۔

ابتداء میں ہمارا مشن ہاؤس بھی ہائیڈ پارک کے متصل واقع تھا چنانچہ مبلغین یہاں سے دلچسپی رکھنے والے انگریزوں کو ساتھ لے جاتے اور مشن میں تبلیغ کے علاوہ ان کو لٹریچر بھی دیتے۔ حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب، حضرت مفتی محمد صادق صاحب، حضرت مولوی عبدالرحیم نیرؔ صاحب، حضرت مولوی شیر علی صاحب، حضرت میر عبدالسلام صاحب، حضرت عزیز دین صاحب والد عبدالعزیز دین صاحب اور حضرت مولانا شمسؔ صاحب کا نام نامی ان لوگوں میں سرفہرست ہے جنہوں نے ہائیڈ پارک کارنر میں اسلام کے معرکے لڑے۔

حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ نے ہائیڈ پارک کارنر میں اسلام کی کامیاب جنگ لڑی۔ تفصیل اس کی یوں ہے کہ ۱۹۴۴ء میں ہائیڈ پارک کے ایک مشہور عیسائی سپیکر مسٹر گرین ہوا کرتے تھے۔ یہ ہر ہفتہ اپنی تقاریر میں اس عقیدہ کی نشر و اشاعت کیا کرتے تھے کہ ۱۹۵۰ء میں یسوع مسیح کا نزول ہوگا۔ انہوں نے ایک رسالہ THE KINGDOM NEWS کے نام سے بھی جاری کر رکھا تھا۔ حضرت مولانا شمسؔ صاحب نے ہائیڈ پارک کارنر ہی میں ان سے چھ نہایت کامیاب مباحثے کئے۔ ان مباحثات سے اسلام کی دھوم مچ گئی اور مسٹر گرین کو بالآخر راہِ فرار اختیار کرنی پڑی۔ پہلا مباحثہ ۲ر جون ۱۹۴۴ء کو ہوا۔ موضوع یہ قرار پایا کہ مسٹر گرین دو گھنٹے میں قرآن مجید پر جتنے اعتراض کرنا چاہیں ایک ایک کرکے پیش کریں اور آپ جواب دیں گے۔ لیکن اس روز ایسا تصرفِ الٰہی ہوا کہ عام طور پر جو اعتراضات وہ پہلے مباحثات میں کیا کرتا تھا وہ بھی پیش نہ کر سکا اور جو نوٹ لکھے تھے وہ بھی غلط تھے۔ دوسرا مباحثہ ۱۶ر جون ۱۹۴۴ء کو ہوا۔ اس روز حضرت مولانا شمسؔ صاحب نے اناجیل پر زبردست اعتراضات کئے جن کا مسٹر گرین کوئی جواب نہ دے سکا۔ بعض کے متعلق کہا کہ میں نے یہ پہلے کبھی نہیں سنا اور اکثر کی نسبت جواب دیا کہ میں تیاری کرکے جواب دوں گا۔ تیسرے مباحثہ میں مسٹر گرین کی باری قرآن مجید پر اعتراض کرنے کی تھی۔ مباحثہ شروع ہوا اور انہوں نے جنوں کے بارہ میں سوال کر دیا۔ حضرت مولانا شمسؔ صاحب نے جواباً فرمایا کہ آیت قرآنی میں جن سے مراد الف لیلہ والے جنّ نہیں بلکہ اس سے مراد بڑے لوگ اور لیڈر ہیں۔ مسٹر گرین نے کہا کہ جب تک آپ کسی انگریزی ترجمہ کو صحیح اور مستند نہیں مان لیتے میں مباحثہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ ترجمے شخصی ہیں۔ میں ان کو صحیح مانتا ہوں لیکن اگر کسی جگہ میں سمجھوں کہ ترجمہ صحیح نہیں کیا گیا اور عبرانی زبان کی رو سے اس کی غلطی ثابت کر دوں تو مجھے ایسا کرنے کا حق حاصل ہے۔ انجیل کے موجودہ تراجم جو کہ سوسائیٹیوں کی طرف سے شائع کئے گئے ہیں ان کے بعض الفاظ کے ترجمہ کے متعلق آپ خود یہ کہتے رہتے ہیں۔ کہ اصل یونانی لفظ یہ ہے اور اس کا صحیح یہ ہے۔ جب آپ سوسائیٹیوں کے مستند ترجمہ کی غلطی نکالنے کا حق رکھتے ہیں تو مجھے یہ کیوں حق نہیں کہ کسی ایک شخص کے ترجمہ میں اگر غلطی ہو تو وہ ظاہر کروں۔ لیکن وہ یہ کہہ کر کہ چونکہ یہ انگریزی ترجمہ کو صحیح نہیں مانتے اس لئے میں مباحثہ نہیں کرتا۔ اپنی پلیٹ فارم اٹھا کر دوسری جگہ چلے گئے اور حاضرین نے سمجھ لیا کہ مسٹر گرین نے راہِ فرار اختیار کر لی ہے۔ چوتھا مباحثہ ۶ر جولائی ۱۹۴۵ء کو حضرت مسیحؑ کی صلیبی موت پر ہوا۔ حضرت مولانا شمسؔ صاحب نے حضرت مسیحؑ کے صلیب سے زندہ اترنے کی تائید میں انجیل سے چھ حوالے پیش کئے۔ مسٹر گرین کسی ایک کا بھی جواب نہ دے سکے۔ پانچواں اور چھٹا مباحثہ ۱۳ر اور ۲۷ر جولائی ۱۹۴۵ء کو ہوا۔ اس مباحثہ کی تفصیل خود حضرت مولانا کی زبانی سنیئے فرماتے

ہیں :۔

"۱۳ ؍جولائی کو موضوع بحث یہ تھا کہ اگر مسیح صلیب پر نہیں مَرے اور زندہ اتارے گئے تو وہ اس کے بعد کہاں چلے گئے۔ مَیں نے پہلے بیس منٹ میں یہ بیان کیا کہ مسیح صلیب پر سے زندہ اتارے گئے۔ پھر اپنے شاگردوں سے ملے، ان کے ساتھ کھانا کھایا، چالیس روز کے بعد انہیں الوداع کہی۔ وہ کہاں گئے؟ اس کے متعلق مَیں نے پہلے سڈنی کے ڈسٹرکٹ جج مسٹر ڈاکر اور ایک جرمن پروفیسر کی تحقیقات بیان کیں۔ جس میں انہوں نے مسیح کے صلیب سے زندہ اتارے جانے اور آخر کار طبعی موت پانے کا اقرار کیا ہے۔ پھر مَیں نے اناجیل سے مسیح کا اصل مشن بتایا۔ پھر یہ کہ وہ پہلے دمشق گئے۔ وہاں سے نصیبین اور نصیبین کے راستے ہندوستان پہنچے اور ان کی قبر سری نگر کشمیر میں موجود ہے۔ جواباً مسٹر گرین نے اناجیل سے حوالے پڑھنے شروع کر دیئے کہ مسیح نے صلیب پر مرنا تھا۔ اور یہ کہ وہ صلیب پر مر گئے۔ مَیں نے کہا کہ ان حوالوں پر گذشتہ ہفتہ بات ہو چکی ہے اور اناجیل میں بہت سی باتیں خلافِ واقعہ درج ہیں مثلاً ایک پاگل سے بدروحوں کا نکالنا جو قریباً دو ہزار تھیں۔ مسٹر گرین نے کہا۔ ایسا کہیں نہیں لکھا۔ مَیں نے مرقس سے دکھایا۔ کہ وہ خنازیر جن میں وہ بدروحیں داخل ہوئیں۔ قریباً دو ہزار تھیں۔ ۲۰ ؍جولائی کو مسٹر گرین نے ٹیلی فون پر کہا کہ وہ بوجہ زکام مباحثہ نہیں کریں گے۔ ۲۷ ؍جولائی کو مسٹر گرین نے مسیح کے مُردوں سے جی اٹھنے کے متعلق تقریر کی لیکن کوئی نئی بات بیان نہ کی ...... آخری مباحثات میں پے درپے شکست کھانے کے نتیجہ میں مسٹر گرین نے مسٹر عبدالعزیز دین صاحب کو خط لکھا اور آئندہ مباحثہ کرنے سے اس بناء پر انکار کر دیا کہ میرے دلائل بے فائدہ اور بے نتیجہ ہیں۔ ۳ ؍اگست کو اس کا خط برادرم عبدالعزیز نے پڑھ کر سُنایا ...... اس طرح مسٹر گرین کے مباحثہ سے فرار اختیار کرنے کی وجہ سے یہ مباحثات ختم ہو گئے۔"

(الفضل ۱۲ ؍اکتوبر ۱۹۴۵ء)

ان مباحثات کا چرچا برطانوی پریس میں بھی خُوب ہُوا۔ مثلاً سوسائٹی فار دی سٹڈی آف ریلیجنز کے سہ ماہی آرگن نے لکھا :۔

"THE IMAM OF THE LANDON MOSQUE HAS COME INTO ARENA OF OPEN DEBATE IN LONDON RECENTLY AND IN VERY ENERGETIC IN PRESENTING HIS FAITH TO CHRISTIAN OPPONANTS. THE IMAM IS VERY SKILFUL IN PRESENTING HIS CASE AND QUOTES LITERALLY FROM THE BIBLE."

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مسٹر عبدالعزیز دین صاحب جن کا ذکر اوپر ہُوا ہے۔ ہمارے لندن مشن کے ایک نہایت

فعّال مخلص دیندار بزرگ ہیں۔ آپ ۱۹۲۸ء میں انگلستان تشریف لے گئے تھے اور اس وقت سے وہیں پر مقیم ہیں۔ آپ کے والد حضرت بابو عزیز دین صاحب سیالکوٹی حضرت اقدس کے صحابی تھے اور ہائیڈ پارک کے مشہور مقرر بھی تھے۔ مکرم عبد العزیز دین صاحب ان مباحثات کے دوران TIME KEEPER کے فرائض انجام دیتے تھے۔ ایک دفعہ ۱۹۶۰ء میں جب خاکسار اور مکرم عبد العزیز دین صاحب ہائیڈ پارک کارنر تبلیغ کے سلسلہ میں گئے تو مکرم عزیز دین صاحب نے ایک بنچ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ دیکھیں مسٹر گرین بیٹھے ہیں۔ مجھے ان سے ملنے کا بہت اشتیاق ہوا۔ ہم دونوں ان سے جا کر ملے۔ بہت تپاک سے ملے۔ جب ہم نے یہ بتایا کہ مولانا شمس صاحب وفات پا چکے ہیں تو آبدیدہ ہو گئے اور کہنے لگے ۔ HE WAS A GREAT SCHOLAR OF BIBLE
مسٹر گرین اس وقت بہت ہی بوڑھے تھے۔ اغلباً ۹۰ سال کے قریب عمر ہوگی۔ دیر تک حضرت مولانا شمس صاحب مرحوم کا تذکرہ ہوتا رہا۔

۱۹۶۰ء میں ہی ہائیڈ پارک کارنر میں ایک شعلہ بیان مقرر مسٹر جان ولیبٹر ہوا کرتا تھا۔ یہ پہلے کمیونسٹ تھا اور کمیونزم پر سالہا سال ہائیڈ پارک کارنر میں تقاریر کیا کرتا تھا۔ پھر یہ مسلمان ہو گئے اور اسلام پر تقاریر کا سلسلہ شروع کر دیا۔ خاکسار نے ان کو بہت ساری کتابیں دیں اور مسجد آنے کی دعوت بھی دی جو انہوں نے قبول کر لی۔ اسلامی اصول کی فلاسفی سے یہ بیحد متاثر ہوئے اور بالآخر خواب میں حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی زیارت سے مشرف ہو جانے کے باعث جماعت میں داخل ہو گئے اور بیعت کرنے کے اگلے ہفتہ ہی ہائیڈ پارک میں تقریر کے دوران حضرت اقدس کا ذکر کر دیا۔ اس پر وہاں خاصا ہنگامہ ہوا۔ ایک احمدی نوجوان کو چوٹیں بھی آئیں۔ لیکن مسٹر ولیبٹر بڑی دلیری سے حضور اقدس کا ذکر اپنی تقاریر میں کرتے رہے۔

حضرت مولوی شیر علی صاحب اپنے دوران قیام انگلستان باقاعدگی سے پارک میں تقریر کیا کرتے تھے۔ اور اچھا خاصا مجمع ان کا منتظر ہوا کرتا تھا۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ ان کی ظاہری وجاہت اور روحانی رعب کا اثر تھا کہ کبھی ان کی تقریر کے دوران کسی HECKLER کو انہیں تنگ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ حضرت میر عبد السلام صاحب سیالکوٹی بھی ہائیڈ پارک کارنر کے مستقل مقررین میں سے تھے۔ خاکسار نے ان کی کئی تقریریں پارک میں سُنی ہیں۔ آپ کو انگریزی زبان پر عبور حاصل تھا۔ بائیبل کے حوالہ جات زبانی یاد تھے۔ آپ کا قد لمبا تھا۔ اور پلیٹ فارم اونچا ہوتا تھا اس لئے دُور سے تقریر کرتے نظر آجاتے تھے۔

ہائیڈ پارک کارنر کے ساتھ گویا اسلام اور احمدیت کا تعلق نصف صدی سے زائد پر محیط ہے۔ اور یہ پارک تاریخ احمدیت کا ایک سنہری باب ہے۔

"ہم چاہتے ہیں کہ ہماری جماعت کے لوگ بھی بولنا سیکھیں۔ ان کا طرز تقریر بھی ایسا ہی ہو کہ جیسا کہ وہ اعلیٰ درجہ کے لوگوں کے لئے بھی مفید اور ادنیٰ کے لئے بھی فائدہ رساں ہے۔ اصل میں کلام کی عُمدگی یہی ہے کہ وہ ہر قسم کے لوگوں کے مطابق حال ہو۔"
(ملفوظات جلد دہم صفحہ ۳۶۴)

سالانہ اجتماع انصار اللہ ضلع گجرات

(مکرم سید رفیق احمد صاحب ۔ ناظم انصار اللہ ضلع گجرات)

مجالس انصار اللہ ضلع گجرات کا سالانہ اجتماع دو روز جاری رہ کر مورخہ ۹ شہادت ۱۳۶۱ھش (۹ اپریل ۱۹۸۲ء) بروز جمعۃ المبارک نہایت کامیابی کے ساتھ ختم ہوگیا۔ اجتماع کا انعقاد جماعت احمدیہ کھاریاں کی نئی تعمیر شدہ مسجد میں کیا گیا۔ خدام و اطفال کے علاوہ ضلع بھر کی ۴۳ مجالس کے ۳۰۰ انصار نے شرکت کی۔ علمائے سلسلہ کے علاوہ صدر مجلس محترم صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب نے بھی تشریف لاکر اجتماع کو اپنے خطاب سے نوازا۔

اجتماع کی کاروائی مورخہ ۸ شہادت (اپریل) کو اڑھائی بجے بعد دوپہر صدر محترم صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کی زیر صدارت تلاوت قرآن پاک سے شروع ہوئی جو مکرم ڈاکٹر احمد حسن صاحب چیمہ نائب ناظم انصار اللہ ضلع گجرات نے کی۔ پھر محترم صدر صاحب نے انصار اللہ کا عہد دہرایا۔ مکرم بشیر احمد صاحب فاروقی نے حضرت مصلح موعود کا منظوم کلام خوش الحانی سے پڑھ کر سنایا۔ اس کے بعد محترم صاحبزادہ صاحب نے افتتاحی خطاب فرمایا۔ خطاب کے آغاز میں آپ نے جماعت احمدیہ کھاریاں کی نئی مسجد کی تعمیر پر جو کافی وسیع ہے خوشی کا اظہار فرمایا لیکن یہ بھی فرمایا کہ مسجد کو تفاخر کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیئے۔ بلکہ یہ تقویٰ اللہ کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اور عبادتِ الٰہی کے لئے بنائی جاتی ہے۔ اس لئے اس کی تعمیر کے بعد اس کو آباد کریں اور اس کو نمازیوں سے بھر دیں۔

آپ نے فرمایا۔ حضرت اقدس کو خدا نے الہاماً فرمایا تھا وَسِّعْ مَکَانَکَ کہ لوگ بڑی کثرت سے آئیں گے اس لئے مکانوں کو وسعت دیتے چلے جاؤ۔

عبادت کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے صدر محترم نے فرمایا مذہب کا مرکزی نقطہ عبادت ہے اور مقصدِ حیات بھی عبادت ہے۔ جو قومیں عبادت کا حق ادا کرنے والی ہوں وہ کبھی مرا نہیں کرتیں۔

آپ نے اپنے خطاب میں نمازوں کی باالتزام ادائیگی پر جو تربیت کا بہترین ذریعہ ہے، بہت زور دیا۔ آپ نے جماعت کی تمام تنظیموں کو توجہ دلائی کہ وہ باہم مل کر باجماعت نمازوں کا انتظام کریں اور اس کے لئے بھرپور کوشش کریں۔

تربیت کی طرف مزید توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ جماعت کے ہر فرد کو نماز اور اس کا ترجمہ آنا چاہیئے۔ کیونکہ جب تک سوچ سمجھ کر نماز ادا نہ کی جائے اس وقت تک خدا سے انسان کا تعلق قائم نہیں ہوسکتا۔ نماز اور اس سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے آپ نے مجالس کو اپنے ہاں نماز مع ترجمہ اور اس کے مختصر مسائل پر مشتمل کیسٹ تیار کر کے ان کی اشاعت کی طرف بھی توجہ دلائی۔ اسی ضمن میں آپ نے فرمایا اس قسم کی کیسٹ مرکز کی طرف سے بھی تیار کی جارہی ہے۔

عبادت اور نماز کی برکات کا ذکر کرتے ہوئے صدر محترم نے فرمایا اس کے ذریعہ سے انسان کا خدا سے تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ اور جب اس کا خدا سے تعلق قائم ہو جائے تو پھر اسے مخلوق خدا کی محبت بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے محترم صدر صاحب نے فرمایا جماعت کو اس وقت ان دو بنیادی باتوں کی اشد ضرورت ہے یعنی نمازوں اور ذکر الٰہی کے ذریعہ خدا سے زندہ تعلق پیدا کیا جائے اور بنی نوع انسان کی خدمت کی جائے۔

تبلیغ کے اہم فریضہ کی طرف احباب کی توجہ مبذول کراتے ہوئے فرمایا جب مندرجہ بالا باتیں آپ میں پیدا ہو جائیں گی تو پھر تبلیغ خود بخود ہوتی چلی جائے گی اور جماعت ترقی کرے گی اور دُنیا کی کوئی طاقت جماعت کی ترقی کو روک نہیں سکے گی انشاء اللہ۔

آپ کے اس پُر اثر خطاب کے بعد محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد نے سیرت حضرت خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔

ساڑھے چار بجے یہ اجلاس ختم ہوا۔ اس کے بعد صدر محترم کی اقتداء میں احباب نے نماز عصر ادا کی۔

قریباً پانچ بجے سہ پہر ایک احمدی دوست کے احاطہ میں مجلس مذاکرہ منعقد ہوئی جس میں احباب جماعت کے علاوہ پچاس ساٹھ غیر از جماعت دوست بھی شریک ہوئے۔ حاضرین کی طرف سے متعدد سوالات کئے گئے جن کے محترم صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب نے مدلل اور تشفی بخش جواب دیئے۔ سوال و جواب کا نہایت ہی دلچسپ سلسلہ نماز مغرب تک جاری رہا۔

بعد ازاں محترم صاحبزادہ صاحب نے مغرب و عشا کی نمازیں جمع کر کے پڑھائیں۔ کھانے سے فراغت کے بعد مکرم مولوی محمد اسماعیل صاحب منیر نے سلائیڈز دکھائیں۔ ناظرین میں ۳۰۰ احمدی احباب کے علاوہ ۳۰ غیر از جماعت دوست بھی تھے۔ اسی دوران محترم افتخار احمد صاحب کے مکان پر محترم صدر صاحب کے کھانے کا پروگرام تھا جس میں ۲۵ غیر از جماعت بھی مدعو تھے۔ کھانے سے قبل پھر سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو گیا جو ساڑھے دس بجے رات گئے تک جاری رہا۔ سوال پوچھنے والوں میں دو غیر از جماعت علماء تھے۔ اس دلچسپ محفل کے ختم ہونے کے بعد محترم صاحبزادہ صاحب جہلم تشریف لے گئے۔

دوسرا دن ۹ شہادت (اپریل)

دوسرے دن کا آغاز نماز تہجد سے ہوا جو مکرم محمد شفیع صاحب آف کھاریاں نے پڑھائی۔ محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کی اقتداء میں نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد اجلاس دوم کی کاروائی مکرم ڈاکٹر احمد حسن صاحب چیمہ کی صدارت میں شروع ہوئی۔ مکرم مولانا محمد اسماعیل صاحب منیر نے قرآن کریم کا درس دیا۔ مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد نے حدیث کا اور مکرم مولانا مرزا محمد یوسف صاحب شاہد مربی سلسلہ کھاریاں نے ملفوظات حضرت اقدس کا درس دیا۔ اس کے بعد مکرم مولانا حفیظ احمد صاحب نے "انصار اور تربیتِ اولاد" کے موضوع پر تقریر کی۔ بعد ازاں خاکسار نے مرکزی لائحہ عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے انصار بھائیوں کو توجہ دلائی کہ وہ مرکز کی ہر ہدایت پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

اجتماعی سیر اور ناشتہ کے بعد ضلع کی مجالس انصار اللہ کے زعماء کی میٹنگ ہوئی۔ جس میں خاکسار نے مرکزی شعبہ جات کی وضاحت کی اور مجلس کی کارکردگی کو بہتر بنانے کے سلسلہ میں ہدایات دیں۔

ٹھیک نو بجے اجتماع کا تیسرا اجلاس زیر صدارت محترم چوہدری منیر احمد خانصاحب امیر جماعت ہائے احمدیہ ضلع گجرات منعقد ہوا۔ تلاوت و نظم کے بعد سب سے پہلی تقریر ڈاکٹر احمد حسن صاحب بھیرہ نے بعنوان ؎ "وہ آیا منتظر تھے جس کے دن رات" کی۔ ان کے بعد مکرم مولانا محمد اسماعیل صاحب منیر نے ؎ "پھیلائیں گے صداقت اسلام کچھ بھی ہو" کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ انہوں نے ممالک بیرون میں تبلیغی واقعات سے اپنی تقریر کو مزیّن کیا۔ مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد نے ؎ "ملّت کے اس فدائی پر رحمت خدا کرے" کے عنوان پر تقریر کی اور حضرت مصلح موعود کی سیرت کے مختلف پہلو اُجاگر کئے۔ اس کے بعد مکرم میجر عبدالقادر صاحب قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ نے احباب سے خطاب کرتے ہوئے مرکزی لائحہ عمل کے مختلف شعبوں کی وضاحت کی۔ صدر جلسہ محترم چوہدری منیر احمد صاحب نے اپنی تقریر میں مختلف تربیتی اور انتظامی امور کی طرف توجہ دلائی۔ آخر میں محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد نے دُعا کرائی۔ اس طرح یہ اجتماع بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوگیا۔

کھانے سے فراغت کے بعد احباب نے محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کی اقتداء میں نماز جمعہ ادا کی۔ نماز سے قبل مولانا صاحب نے ایک پُر معارف خطبہ دیا۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

"یہ جو رات دن مسلمانوں کو کلمہ طیّبہ کہنے کے واسطے تائید اور تاکید ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ بغیر اس کے کوئی شجاعت پیدا نہیں ہوسکتی۔ جب آدمی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہتا ہے تو تمام انسانوں اور چیزوں اور حاکموں اور افسروں اور دشمنوں اور دوستوں کی قوّت اور طاقت ہیچ ہو کر صرف اللہ کو دیکھتا ہے۔ اور اس کے سوائے سب اس کی نظروں میں ہیچ ہو جاتے ہیں۔ پس وہ شجاعت اور بہادری کے ساتھ کام کرتا ہے۔ اور کوئی ڈرانے والا اس کو ڈرا نہیں سکتا۔"

(ملفوظات جلد دہم صفحہ ۱۷۴)

۳۰ اپریل ۱۹۸۲ء تک سو فیصد بجٹ ادا کرنیوالی مجالس

مندرجہ ذیل مجالس نے ۳۰ اپریل ۱۹۸۲ء تک اپنے بجٹ سو فیصد ادا کر دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان مجالس کے عہدیداران اور اراکین کے اموال میں برکت بخشے آمین۔ ——— عبدالرشید غنی قائد مال مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ۔

ضلع جھنگ:۔ چک ۱۰۹/۱۰ احمد پور سیال۔ **ضلع فیصل آباد**:۔ چک ۵۵۵/گ ب ٹکڑا۔ جڑانوالہ۔ ۲۸۰/ر ب غربی۔ ۱۳۹/ر ب گھمن۔ ۱۰۶/گ ب۔ ۱۴۷/ر ب چوہڑی۔ ۲۲۶/گ ب خانپور۔ ۲۰۸/گ ب۔ ۹۵/ج ب گہری۔ ۲۸۱/ج ب دواکھڑی۔ ۳۵۲/ج ب سراں۔
ضلع سرگودھا:۔ کوٹ مومن۔ قائد آباد۔ **ضلع بہاولپور**:۔ اوچ شریف۔ **ضلع بہاولنگر**:۔ 166/7-R ۔ 169/7-R ۔ 182/7-R ۔ 241/11-R ۔ 213/9-R ۔ ۲۰۱ مراد۔ **ضلع رحیم یارخان**:۔ منڈی صادق آباد۔ چک ۶۵/۵۔ بستی کندھارا سنگھ۔
ضلع سیالکوٹ:۔ بھڑتھانوالہ۔ چہور۔ غوط فتح گڑھ۔ کوٹ گونڈل۔ گھٹیالیاں خورد شرقی۔ مراڑہ ظفروال۔ نشتر آباد۔
ضلع لاہور:۔ پدری۔ رائے ونڈ۔ رکھ شیخ کوٹ۔ **ضلع گوجرانوالہ**:۔ بقا پور۔ تولیکی۔ فیروزوالہ۔
ضلع شیخوپورہ:۔ سیدوالہ۔ گوچل ورک۔ گھڑیال کلاں۔ واربرٹن۔ **ضلع گجرات**:۔ چک ۲۶ اسلام آباد۔ دھوریہ۔ سوک کلاں۔ کنجاہ۔ پنڈی دھوتڑاں۔ بھلیسر۔ **ضلع جہلم**:۔ چک جمال۔ دوالمیال۔ کالا گجراں۔ **ضلع ڈیرہ غازیخان**:۔ داجل۔
آزاد کشمیر:۔ ڈبیال نگیال۔ **ضلع ملتان**:۔ 91-A/10-R سرائے سدھو۔ **ضلع مظفرگڑھ**:۔ 171/T.D.A ۔ 327/T.D.A ۔ 554/T.D.A ۔ 518/T.D.A ۔ **ضلع وہاڑی**:۔ ۱۶۳ اشتاب گڑھ۔ **ضلع ساہیوال**:۔ میرک۔ **ضلع بدین**:۔ ٹنڈو بھاگو۔
ضلع نواب شاہ:۔ دریا خاں مری۔ گوٹھ مولوی عبدالسلام صاحب عمر۔ **ضلع تھرپارکر**:۔ نور نگر۔
ضلع لاڑکانہ:۔ گوٹھ جام خان چانڈیو۔ **ضلع خیرپور میرس**:۔ دیہہ ارارہ۔ **ضلع سکھر**:۔ شکار پور ٹیو عاقل۔

بزم ارشاد انصار اللہ

بزم ارشاد کا قیام مجالس انصار اللہ کی ترقی کے لئے ایک ضروری قدم ہے۔ ناظمین اضلاع، زعماء اعلیٰ و زعماء مجالس انصار اللہ اس بات کا اہتمام کریں کہ ہر مجلس میں یہ بزم ضرور قائم ہو جائے اور مرکزی پروگرام کے مطابق کام کر کے رپورٹ بھجوانا شروع کر دیں۔ جزاکم اللہ۔

(قائد اصلاح و ارشاد مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ)

اکین

پنپتی ہیں مصائب ہی میں قومیں

(ایک دوست کو فراقِ قادیان میں دیکھا تو مولانا ظفر محمد صاحب مرحوم نے ارتجالاً یہ شعر کہے۔ جو ہدیہ قارئین کیے جاتے ہیں۔ ادارہ)

نہ بھر آہیں فراقِ قادیاں میں ❊ نہ ہو مصروف یوں آہ و فغاں میں
خدا کے کام بے حکمت نہیں ہیں ❊ ہوا ہے مبتلا تو کس گماں میں
ترقی پا نہیں سکتے کبھی بھی ❊ پڑیں مومن نہ جب تک امتحاں میں
پنپتی ہیں مصائب ہی میں قومیں ❊ یہی سُنّت رہی ہے ہر زماں میں
شدائد سے مصائب سے نہ گھبرا ❊ یہی تو مرحلے ہیں امتحاں میں
جہادِ زندگی کا ایک پہلو ❊ مکمّل ہو چکا تھا قادیاں میں
عدو ہر سُو شکستیں کھا چکا تھا ❊ دلائل میں، براہیں میں، بیاں میں
جہادِ زندگی کا دوسرا رُخ ❊ چمک سکتا نہ تھا دارالاماں میں
ضرورت تھی کہ پھر مومن کے جوہر ❊ عیاں ہوں عرصۂ تیغ و سناں میں
خدا نے تب اسے باہر نکالا ❊ نہ چاہا وہ رہے امن و اماں میں
ہمارا قادیاں اک بوستاں ہے ❊ ہم اسکی بوئے خوش ہیں اس جہاں میں
یہ فطرت کے مخالف ہے کہ خوشبو ❊ رہے محدود صحنِ گلستاں میں
ہوا پورا نشانِ "داغ ہجرت" ❊ خدا دیکھا ہے ہم نے اس نشاں میں
مقدس "داغ" ہے رہنے دے دل پر ❊ نہ اُڑ جائے کہیں آہ و فغاں میں
تو سمجھا ہم پراگندہ ہوئے ہیں ❊ میرے نزدیک ہم پھیلے جہاں میں

ظفر گر ہوں حقیقت بیں نگاہیں
بہاریں ہی بہاریں ہیں خزاں میں